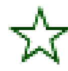
اور تلوار ٹوٹ گئی

حصہ دوم

نسیم حجازی

فہرست



پرس رام نے تین دن کی ٹال مٹول کے بعد بدرالزمان کو کوچ کرنے کی اجازت دے دی اور یہ قافلہ مرہٹہ سپاہیوں کی حفاظت میں روانہ ہوا۔ قافلے کے ساتھ تیس بیل گاڑیاں تھیں جن میں سے بعض پر توپیں اور دوسرا سامان لدا ہوا تھا اور باقی زخمیوں اور بیماروں سے بھری ہوئی تھیں۔ بدرالزمان کے علاوہ پانچ بڑے افسر گھوڑوں پر سوار تھے۔ لیگرانڈ کی حالت قدرے بہتر تھی لیکن دو تین میل چلنے کے بعد اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ انور علی نے اس کے قریب آکر اپنا گھوڑا روکا اور اُترتے ہوئے کہا۔ لیگرانڈ اگر تم بیماروں اور زخمیوں کے ساتھ بیل گاڑی پر سفر کرنا پسند نہیں کرتے تو میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ابھی تم پیدل چلنے کے قابل نہیں ہو۔

لیگرانڈ نے کچھ دیر پس و پیش کیا لیکن انور علی کے اصرار پر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد بدرالزمان نے انور علی کی تقلید کی اور اپنا گھوڑا ایک نحیف اور لاغر ساتھی کے حوالے کر دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی افسر بھی اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور انہیں زیادہ مستحق ساتھیوں کے حوالے کرنے کے بعد قافلے کے ساتھ پیدل چلنے لگے۔

دوپہر کے قریب مرہٹہ پڑاؤ کی طرف سے کوئی چالیس سرپٹ سوار نمودار ہوئے اور محافظ دستوں کا افسر قافلے کو رُکنے کا حکم دے کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

ان پچاس سواروں میں سے ایک مرہٹہ فوج کا با اثر سردار تھا۔ اس نے قافلے کے قریب پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو رُکنے کا حکم دیا۔ پھر آگے بڑھ کر محافظ دستوں کے افسر کے ساتھ کوئی گفتگو کی اور بالآخر بدرالزمان کے قریب آ کر کہا۔ آپ کو کچھ دیر

یہاں رُکنا پڑے گا۔

بدرالزمان نے پوچھا۔ یہ آپ کی خواہش ہے یا بھاؤ صاحب کا حکم ہے؟

کچھ سمجھ لیجیے۔

آپ کوئی معقول وجہ بیان کیے بغیر مجھے نہیں روک سکتے۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔ معاہدہ کی خلاف ورزی آپ کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے قلعہ خالی کرتے وقت بارود کا بہت بڑا ذخیرہ ضائع کر دیا ہے۔

یہ غلط ہے۔ اگر ہمارے پاس بارود ہوتا تو ہم قلعہ خالی نہ کرتے۔

آپ نے صرف بارود ہی ضائع نہیں کیا بلکہ بہت سی فالتو بندوقیں بھی کسی جگہ چھپا دی ہیں۔ انور علی نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے تمام فالتو بندوقیں گن کر آپ کے افسروں کے حوالے کی تھیں۔ تم دیکھ سکتے ہو ہمارے کسی سپاہی کے پاس ایک سے زیادہ بندوق یا تلوار نہیں۔

سردار نے کہا۔ بھاؤ صاحب کا حکم ہے کہ آپ اپنی بندوقیں اور تلواریں ہمارے حوالے کر دیں اور یہاں ٹھہر کر ان کے حکم کا انتظار کریں۔ وہ مطمئن ہو جائیں گے کہ آپ نے معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی نہیں کی ہے تو آپ کو کُوچ کی اجازت مل جائے گی۔

بھاؤ صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم لڑائی میں شکست کھانے کے بعد بے وقوف بھی بن گئے ہیں۔ اگر تمہاری نیت بدل گئی ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم صرف لاشوں کے انبار سے بندوقیں تلاش کر سکو گے۔ میرے ساتھی تمہارے آدمیوں کے گھیرے میں ہیں۔ لیکن مرنے سے پہلے وہ آخری بار اپنی بندوقیں اور

تلواریں استعمال کرنے کا موقع کھونا پسند نہیں کریں گے۔

مرہٹہ سردار نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ بھاؤ صاحب نے ہمیں آپ سے لڑنے کی اجازت نہیں دی۔

بدرالزمان نے جواب دیا۔ میں بھاؤ صاحب کو بلاوجہ ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن ہمارے لیے سفر جاری رکھنا ضروری ہے۔

آپ کی مرضی لیکن آپ کا فائدہ اسی میں ہے کہ آپ یہاں رُک جائیں۔

اگر بھاؤ صاحب کی نیت خراب ہے تو ہمارے رُکنے یا سفر کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ جب چاہیں ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔

آپ کو بھاؤ صاحب کی نیت کے متعلق شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ صرف آپ سے اس بات کی تسلی حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے قلعہ خالی کرنے کے متعلق معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

میں آپ کو جواب دے چکا ہوں کہ ہم نے کسی شرط کی خلاف ورزی نہیں کی ہے لیکن اگر آپ یہ جواب تسلی بخش نہیں سمجھتے تو میں آپ کے ساتھ بھاؤ صاحب کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں۔

آپ اس سے زیادہ نیک نیتی کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سے باتیں کرنے کے بعد بھاؤ صاحب مطمئن ہو جائیں گے۔

انور علی نے مضطرب ہو کر کہا۔ آپ کا یہ فیصلہ درست نہیں۔

لیکن بدرالزمان نے اس کی طرف توجہ دینے کی بجائے مرہٹہ سردار سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ پہلے اپنے سپاہیوں سے اس بات کی تسلی کر لیں کہ وہ میرے واپس آنے تک قافلے کو روکنے کی

کوشش نہیں کریں گے۔ بھاؤ صاحب سے ملاقات کے بعد میں فوراً واپس آنا چاہتا ہوں میرے بیس سپاہی میرے ساتھ جائیں گے اور آپ کو ہم سب کے لیے گھوڑے مہیا کرنے پڑیں گے۔

مرہٹہ سردار نے کہا۔ چھ گھوڑے آپ کے پاس ہیں اور پانچ چھ گھوڑوں کا انتظام ہوسکتا ہے۔ آپ کو اس سے زیادہ آدمی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔

بدرالزمان نے جواب دیا۔ مجھے زیادہ آدمی ساتھ لے جانے کا شوق نہیں لیکن میرا محافظ دستہ کسی صورت میرا ساتھ چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ بہرحال آپ کو کوئی اعتراض ہو تو میں ان کی تعداد کم کرنے کے لیے تیار ہوں۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

تو آپ گھوڑوں کا انتظام کیجیے۔ میں اتنی دیر میں اپنے ساتھیوں کو ضروری ہدایات دیتا ہوں لیکن اس بات کا خیال رکھیے کہ ہمارے پاس جو گھوڑے تھے وہ ان لوگوں کو دیے گئے ہیں جو پیدل چلنے کے قابل نہ تھے۔

بہت اچھا آپ تیار ہو جائیں میں گھوڑوں کا انتظام کرتا ہوں۔ سردار نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور مرہٹہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گیا۔

انور علی نے بدرالزماں کا بازو پکڑ کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ آپ یہ غلطی نہ کریں۔

بدرالزمان نے جواب دیا۔ ان واقعات کے بعد مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بھاؤ میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گا۔ لیکن میں تم لوگوں کو موقع دینا چاہتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ حملہ کرنے کے لیے تیار

ہیں۔میں بھاؤ کے پاس اس لیے جا رہا ہوں کہ تمہیں شام تک سفر کرنے کا موقع مل جائے اور تم رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا سکو۔میرے جانے کے بعد مرہٹہ سپاہیوں کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ تم شام کے وقت کہیں رُک کر میرا انتظار کرو گے۔ لیکن تمہاری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تم سفر جاری رکھو۔کیونکہ تم جتنا مرہٹوں کے پڑاؤ سے دُور ہوتے جاؤ گے اتنا ہی محفوظ ہوتے جاؤ گے۔

پاس ہی مرہٹہ سردار محافظ دستوں کے افسر سے کہہ رہا تھا۔اگر تمہاری طرف سے کوئی غلطی ہوئی تو بھاؤ صاحب سخت سزا دیں گے۔راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے ہمیں ان کے دوستوں کی طرح رخصت کرنا ہے۔

مرہٹہ افسر نے کہا۔کیا بہتر نہیں ہو گا کہ ہم یہیں پڑاؤ ڈال کر خان صاحب کی واپسی کا انتظار کریں؟

نہیں۔نہیں۔بدرالزمان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ہمارے ساتھ بعض زخمیوں کی حالت بہت نازک ہے اور ہم انہیں جلد از جلد کسی ایسی جگہ پر پہنچانا چاہتے ہیں جہاں سے ان کے لیے طبی امداد حاصل کر سکیں۔انہیں شام تک سفر کرنے دیجیے۔میں بہت جلد قافلے کے ساتھ آملوں گا۔

تھوڑی دیر بعد بدرالزمان خان اور اس کے ساتھی پچاس مرہٹہ سپاہیوں کے پہرے میں پرس رام بھاؤ کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گئے اور انور علی نے باقی قافلے کو کُوچ کا حکم دیا۔پانچ بجے کے قریب مرہٹہ سپاہیوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ کیا۔لیکن انور علی غروب آفتاب تک سفر کرنے پر مصر تھا اور مرہٹہ فوج کے افسر کو تھوڑی دیر دو قدح کے بعد اس کی بات ماننی پڑی۔

مرہٹوں کے تیور دیکھنے کے بعد قیدیوں کو ان کے عزائم کے متعلق کوئی خوش فہمی

نہ تھی۔ قافلے کے چاروں طرف ان کی نقل و حرکت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ حملہ کرنے کے لیے رات کی تاریکی کا انتظار نہیں کریں گے۔

غروبِ آفتاب کے قریب وہ ایک ندی کے کنارے پہنچے۔ مرہٹہ دوستوں کے افسر نے انور علی کے قریب پہنچ کر کہا۔ اب شام ہونے کو ہے اور اس ندی سے تھوڑی دُور آگے جنگل شروع ہو جائے گا۔ اس لیے رات کے وقت پڑاؤ ڈالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ملے گی۔

انور علی نے کہا۔ ہم رات کے اندھیرے سے پہلے جنگل کے قریب پہنچ جائیں گے اور وہاں کسی جگہ رُک جائیں گے۔

نہیں جناب۔ میرے ساتھی تھک گئے ہیں۔ لیکن اگر آپ بضد ہیں تو ہم ندی کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیتے ہیں۔

مرہٹہ افسر نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ پھر آن کی آن میں چند دستے ندی کے کنارے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور باقی قافلے کے دائیں بائیں اور عقب میں صفیں درست کرنے لگے۔

انور علی نے بلند آواز سے ہوشیار کہا اور اس کے ساتھیوں نے آنکھ جھپکنے کی دیر میں زمین پر لیٹ کر اپنی بندوقیں سیدھی کر لیں۔ اس کے ساتھ ہی مرہٹوں نے چاروں طرف سے گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ زمین پر لیٹنے والوں کی نسبت بیل گاڑیوں میں پڑے ہوئے بیماروں اور زخمیوں پر مرہٹہ سپاہیوں نے نشانے زیادہ کامیاب تھے۔ اس کے بعد میسور کے سپاہیوں نے جوابی فائر کیے اور مرہٹہ سپاہی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن ان کے پاس بارود کی مقدار اتنی قلیل تھی کہ وہ اپنی توپوں کا کام میں نہیں لا سکتے تھے اور مرہٹوں کو اس بات کا علم تھا۔

تھوڑی دیر بعد نیزہ بازوں کا ایک دستہ آگے بڑھا اور تیس چالیس آدمیوں کو زخمی اور ہلاک کرنے کے بعد دوسری طرف نکل گیا۔ پھر دوسری سمت سے نیزہ بازوں کے ایک دستے نے حملہ کیا لیکن اتنی دیر میں میسور کے سپاہی اپنی بندوقیں دوبارہ بھر چکے تھے اور حملہ کرنے والوں کو ان کی فائرنگ نے پسپائی پر مجبور کر دیا۔

چند منٹ کی لڑائی میں مرہٹوں نے جو نقصان اُٹھایا تھا وہ ان کی توقع سے بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑے پیچھے ہٹا دیے اور دُور دور درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں بندوقوں کی لڑائی پر اکتفا کرنے لگے۔ لڑائی کے آغاز میں انور علی کے ساٹھ ستر ساتھی جن میں سے بعض پہلے ہی زخمی یا بیمار تھے، شہید ہو چکے تھے لیکن بندوقوں کی لڑائی میں فریقین میں سے کسی کا پلہ بھاری نہ تھا اور جُوں جُوں تاریکی بڑھ رہی تھی میسور کے آدمیوں کے لیے بچ نکلنے کے امکانات زیادہ ہو رہے تھے۔

انور علی نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ اب مرہٹے رات کی تاریکی میں ہم پر حملہ کرنے کی بجائے صبح تک ہمیں اپنے گھیرے میں رکھنے کی کوشش کرینگے۔ اس کے بعد ان کی مزید فوج نہ بھی آئی تو بھی دن کی روشنی میں ہم میں سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ اس لیے تمہارے لیے یہی وقت ہے۔ میں ہر شخص کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کرے۔

میسور کے سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں زمین پر رینگتے ہوئے ندی کی طرف کھسکنے لگے اور تھوڑی دیر میں ندی کا گھٹنے گھٹنے پانی عبور کرنے کے بعد دوسرے کنارے پہنچ گئے اور انہوں نے جنگل کی طرف اپنا راستہ روکنے والے مرہٹہ دستوں پر حملہ کر دیا۔ اب تاریکی بڑھ رہی تھی اور دست بدست لڑائی میں دوست اور دشمن کی

تمیز نہ تھی۔آن کی آن میں مرہٹے افراتفری کے عالم میں دائیں اور بائیں اطراف سمٹ رہے تھے اور میسور کے سپاہی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر جنگل کا رُک کر رہے تھے، انور علی اپنے ساتھیوں کو بھاگنے کا موقع دینے کے لیے دیر تک تیس چالیس سر فروشوں کے ساتھ ندی کے دوسرے کنارے ڈٹا رہا اور انہوں نے جوابی فائرنگ سے دُشمن کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ میدان اب قریباً خالی ہو چکا ہے۔پھر جب جنوب کی سمت سے دشمن کی چیخ وپکار سنائی دینے لگی تو انور علی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔اب تمہیں یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔تم اپنی جانیں بچانے کی فکر کرو۔لیکن جانے سے پہلے چند بندوقیں بھر کر میرے پاس رکھ دو اور اپنے لیے آس پاس پڑے ہوئے ساتھیوں کی بندوقیں اُٹھا لو۔

ایک ساتھی نے کہا۔آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے؟

نہیں ابھی میرے حصے کا کام ختم نہیں ہوا۔

تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔اس نے جواب دیا۔

انور علی نے گرج کر کہا۔تم وقت ضائع کر رہے ہو۔میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔

دُوسرا ساتھی بولا۔لیکن زخمیوں کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے؟

تم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔تمہاری حماقت کے باعث ان کی تعداد میں اضافہ ضرور ہو سکتا ہے۔

چند منٹ بعد انور علی کے قریب بندوقوں کا ڈھیر لگ چکا تھا اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں غائب ہو چکے تھے۔اس نے یکے بعد دیگرے بھری ہوئی بندوقیں اُٹھا کر مختلف سمتوں میں فائرنگ شروع کر دی۔دشمن پر یہ تاثر ڈالنے کے

لیے کہ فائر کرنے والوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہے وہ گھٹنوں اور کہنیوں کے بل چل کر کبھی ایک جگہ اور کبھی دوسری جگہ سے فائر کر رہا تھا۔ اچانک اسے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر بندوق کا دھماکہ سنائی دیا اور وہ دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ زمین پر رینگتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور دھماکہ کے ساتھ اسے بندوق سے نکلتی ہوئی آگ کا شعلہ بھی دکھائی دیا۔ تاریکی میں اپ کے لیے نشانہ باز کو پہچاننا مشکل تھا۔ تاہم اُسے اس بات کی تسلی ہو چکی تھی کہ اس کی بندوق کا رخ دشمن کی طرف ہے۔

تم کون ہو؟ اس نے آہستہ سے کہا۔

موسیو انور علی۔ میں لیگرانڈ ہوں۔ یہ کہہ کر لیگرانڈ رینگتا ہوا اس کے قریب آ گیا انور علی نے کہا۔ لیگرانڈ تم نے یہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ میرا خیال تھا کہ تم جنگل میں پہنچ چکے ہو گے۔

میں جنگل کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے ساتھ چند آدمی ابھی تک یہیں ہیں تو مجھے بھاگنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔

تم نے سخت حماقت کی ہے۔ میرے ساتھ جا چکے ہیں۔

مجھے معلوم ہے میں راستے میں اُن سے ملا ہوں۔

اور اس کے باوجود تم یہاں آئے ہو۔ تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟

وہ زخمی ہو گیا ہے۔

مرہٹے اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ انور علی شمال کی طرف فائر کرنے کے بعد کہا تم اپنی بندوق بھر چکے ہو تو مغرب کی طرف فائر کر دو اور میرے ساتھ آؤ۔

لیگرانڈ نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور تھوڑی دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں بندوقوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ انور علی نے اپنی خالی بندوق ایک طرف رکھ کر بھری ہوئی بندوق اٹھالی اور کہا۔ لیگرانڈ تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم اپنی جان بچانے کا بہترین موقع کھو چکے ہو لیکن اب بھی ہمت کرو تمہارے بچ نکلنے کے کچھ امکانات باقی ہیں۔

میں آپ کا ساتھ رہوں گا۔ لیگرانڈ نے فیصلہ کن لہجے مین جواب دیا۔

لیگرانڈ خدا کے لیے میری بات مان لو یہ خودکشی ہے۔ تم یہاں رہ کر مجھے فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔

لیگرانڈ نے کہا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں یہاں اپنی بہادری یا ایثار کا ثبوت دینے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر میں بھاگ سکتا تو مجھے شاید اس بات کی پرواہ نہ ہوتی کہ آپ پیچھے رہ گئے ہیں۔ مجھے جنگل میں گھرے ہوئے شکار کی طرح مرہٹوں کے ہاتھوں مارا جانا پسند نہ تھا۔ میں اس لیے واپس آیا ہوں کہ شاید میرے وجہ سے ایک دوست کی جان بچ جائے۔ اب آپ جائیں میں دشمن کو اپنی طرف متوجہ رکھوں گا۔

انور علی نے کہا۔ اگر تم میری وجہ سے آئے ہو تو چلو مجھے بلاوجہ مرنا پسند نہیں۔ اگر تم نہ آتے تو بھی میرا ایک گھنٹے سے زیادہ یہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ ہم دنوں یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ مرہٹے رات کی تاریکی میں اپنے سائے سے بھی ڈرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ صبح ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر صورت حال کا جائزہ لینے کی جرات نہیں کریں گے۔

یہ کہہ کر انور علی یکے بعد دیگرے چند اور فائر کر دیے۔ پھر لیگرانڈ کی طرف متوجہ ہو کر کہا چلو!

لیگرانڈ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ انور علی میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میں زخمی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں واپس آ گیا ہوں۔

چند ثانیے انور علی کے منھ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ پھر وہ جلدی سے آگے بڑھ کر لیگرانڈ کا جسم ٹٹولتے ہوئے بولا۔ زخم کہاں ہے؟

لیگرانڈ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دائیں کندھے سے ذرا نیچے رکھتے ہوئے کہا۔ یہاں! انور علی کا ہاتھ اس کے تازہ اور گرم خون سے بھیگ گیا۔ ایک ثانیے کے لیے اس کی جسمانی اور ذہنی قویٰ جواب دے چکے تھے۔ پھر انے ایک ہی جھٹکے میں لیگرانڈ کی قمیص نوچ ڈالی اور اپنا پٹکا اُتارتے ہوئے کہا۔ تمہارا خون بہہ رہا ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتادیا کہ تم زخمی ہو؟ انور علی نے پھٹی ہوئی قمیص کے ایک ٹکڑے کو تہہ کر کے گدی بنائی اور لیگرانڈ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ اسے زخم کے اوپر دبا رکھو میں پٹی باندھتا ہوں۔

لیگرانڈ نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور انور علی اپنے گردوپیش سے بے پرواہ ہو کر پٹی باندھنے میں مصروف ہو گیا۔ لیگرانڈ نے کہا۔ میرے دوست آپ بلاوجہ تکلیف کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے منزل قریب آچکی ہے۔ زخمی ہونے کے بعد مجھے خیال تھا کہ مرنے سے پہلے میری زندگی کے آخری چند لمحات شاید ایک دوست کو بچانے کے کام آسکیں۔ لیکن آپ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ میری وجہ سے مُصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ اگر آپ میری موت کے لمحات کو میرے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ نہیں بنانا چاہتے تو یہاں سے نکل جایئے۔

انور علی نے کہا۔ تم زخمی ہو کر میرے پاس آئے ہو۔ میری تلاش میں آئے ہو اور پھر مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اگر تم

میری جان بچانا چاہتے ہو تو تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کچھ دور چل سکتے ہو یا نہیں؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ آپ کی جان بچانے کے لیے میں کئی میل چل سکتا ہوں۔

بہت اچھا، تم تھوڑی دیر یہاں میرا انتظار کرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔

آپ کہاں جا رہے ہیں؟

میں آ کر بتاؤں گا۔ انور علی یہ کہہ کر اٹھا اور پوری رفتار سے ایک طرف بھاگنے لگا۔

لیگرانڈ قریباً نصف گھنٹہ بے حس و حرکت پڑا اس کا انتظار کرتا رہا۔ بالآخر وہ اضطراب کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مرہٹے اب مختلف اطراف سے اندھا دھند گولیاں برسانے کی بجائے اکا دُکا فائر کرنے پر اکتفا کر رہے تھے۔ اچانک اُسے ایک طرف سے آگ کا چھوٹا سا شعلہ دکھائی دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب آگ کا شعلہ آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا تو اسے پاس ہی کسی بھاگتے ہوئے انسان کے قدموں کی آہٹ سُنائی دینے لگی۔

انور علی میں یہاں ہوں۔ اس نے کہا۔

انور علی ہانپتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے کہا اب اُٹھو!

لیگرانڈ اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔ کوئی تیس چالیس قدم چلنے کے بعد انہیں چاروں اطراف دشمن کی چیخ و پکار سنائی دی۔ انور علی اور لیگرانڈ دوبارہ زمین پر لیٹ گئے۔ آگ کا شعلہ پھیل کر ایک بہت بڑا الاؤ بنتا جا رہا تھا اور میدان میں دُور دُور تک روشنی پھیل رہی تھی لیگرانڈ نے انور علی کو آگے کے شعلوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے

کاہ۔موسیو آپ سامان کی گاڑیوں کو آگے لگا کر آئے ہیں۔

ہاں!

لیکن کیوں۔اس سے کیا فائدہ ہو گا؟

تم بے حس و حرکت پڑے رہو۔ میں دُشمن کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اب یہاں لاشوں اور کراہتے ہوئے زخمیوں کے سوا کچھ نہیں۔

میں بھی حیران تھا کہ آپ نے اتنی دیر کیوں لگائی ہے؟

انور علی نے کہا۔دس بارہ گاڑیوں کے بیل کھولنا۔پھر بعض گاڑیوں سے لاشیں اُتارنا اور پھر انہیں ایک جگہ جمع کر کے آگ لگانا معمولی کام نہ تھا۔

لیکن اس سے کیا فائدہ ہو گا؟

مرہٹوں کو معلوم ہے ان گاڑیوں پر ہمارا خزانہ بھی ہے۔وہ ہر قیمت پر آگ بجھانے کی کوشش کریں گے اور میں نے تمام روپیہ نکال کر الاؤ کے گرد بکھیر دیا ہے۔ تم تھوڑی دیر میں ایک عجیب تماشا دیکھو گے۔دیکھو وہ آرہے ہیں۔اب دم بخود ہو کر پڑے رہو۔اس طرف سے کئی آدمی گزریں گے اور تمہیں یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ تم ایک لاش ہو۔

لیگرانڈ نے کہا میں نہیں جانتا کہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو گا آپ کا یہ کھیل دلچسپ ضرور ہے۔چند منٹ بعد میدان میں دُور دُور روشنی پھیل چکی تھی اور پیدل اور سوار مرہٹے چیختے چلاتے الاؤ کی طرف بڑھ رہے تھے۔مرہٹوں کی چند ٹولیاں انور علی اور لیگرانڈ کے قریب سے گزر گئے۔پھر سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوا اور انور علی نے جلدی سے اُٹھ کر لیگرانڈ کا بازو پکڑتے ہوئے کہا اب اٹھو!۔

چند سواروں کے گھوڑے ان کے سر پر آچکے تھے اور انور علی نے بڑی مشکل

سے لیگرانڈ کو کھینچ کر پیچھے ہٹایا۔ جب وہ گزر گئے تو لیگرانڈ نے کہا۔ اب یہاں سے نکلیے۔ وہ آگ کی روشنی میں ہمیں پہچان لیں گے۔

تم اطمینان رکھو۔ اب کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں رہے گا۔ تھوڑی دیر پہلے میرے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ میں تمہیں گھوڑے کے بغیر یہاں سے کیسے نکال سکوں گا۔ لیکن اب اگر چاہو تو میں تمہارے لیے بیس گھوڑے حاصل کر سکتا ہوں۔

وہ کیسے؟

تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔

انور علی کی چال اس کی توقع سے زیادہ کامیاب تھی۔ جو لوگ جلتی ہوئی گاڑیوں کے قریب پہنچ چکے تھے وہ آگ بجھانے کی بجائے سونے چاندی کے چمکدار سکوں کی طرف متوجہ ہو چکے تھے، ان کا سالار گھوڑا بھگاتا ہوا آیا اور چلا چلا کر کہنے لگا۔ بیوقوفو تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ دشمن کے سینکڑوں آدمی ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے ہیں۔ تم ان کا پیچھا کیوں نہیں کرتے۔ ان گاڑیوں کی پروا نہ کرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیا کر رہے ہو؟

اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ کیا کر رہے ہیں تو اس نے خود بھی گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ لیکن اپنے زیادہ مُستعد ساتھیوں کے دھکے کھانے کے بعد وہ ایک طرف ہٹ کر پوری قوت سے چلا رہا تھا۔ بدمعاشو یہ رُوپیہ سرکاری ہے۔ اگر تم پیچھے نہ ہٹے تو میں سواروں کو حملہ کرنے کا حکم دے دوں گا۔

لیکن موقع پر پہنچنے والے سوار پیادوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے خالی گھوڑے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ایک افسر اپنے سپاہی کا گریبان پکڑ کر چلا رہا تھا۔ بدمعاش تم نے میرا گھوڑا کیوں چھوڑ دیا۔ اور سپاہی کہہ

رہا تھا۔ مہاراج مجھ غریب پر ظلم نہ کیجیے۔ بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دیجیے۔ میرے پانچ بچے ہیں۔ آپ کا گھوڑا کہیں بھاگ نہیں جائے گا۔ دیکھیے سب گھوڑے یہاں پھر رہے ہیں۔ پھر اچانک اسے زمین پر پڑا ہوا سکہ دکھائی دیا اور وہ اپنی قمیض کا ایک ٹکڑا افسر کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

انور علی وار لیگر انڈ آگے بڑے اور انہوں نے اطمینان سے دو آوارہ گھوڑوں کی باگیں پکڑلیں اور تھوڑی دور جا کر ان پر سوار ہو گئے۔ الاؤ کے گرد ہجوم کی افراتفری کا یہ عالم تھا کہ بعض آدمی اپنے ساتھیوں کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے۔ ہجوم کے ریلے میں ایک سپاہی کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ایک جلتی ہوئی گاڑی کے پہیے پر گر پڑا۔ آن کی آن میں اس کے کپڑوں کو آگ لگ گئی اور وہ چیخیں مارتا ہوا ادھر ادھر بھاگنے لگا لیکن کسی نے اس پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

سترھواں باب

انور علی اور لیگر انڈ ندی عبور کرنے کے بعد جنگل میں داخل ہوئے اور تھوڑی دیر بعد انور علی نے کہا۔اب ہمیں صبح تک دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم باقی رات چلتے رہیں۔

لیگر انڈ نے جواب دیا۔میں آپ کا ساتھ دینے کی کوشش کروں گا۔

انور علی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور لیگر انڈ اس کے پیچھے ہو لیا۔کوئی ایک گھنٹہ جنگل کی تنگ پگڈنڈی پر سفر کرنے کے بعد انور علی نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر لیگر انڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔لیگر انڈ اب تمہیں محتاط رہنا چاہیے میں اب یہ راستہ چھوڑ کر جنگل عبور کرنا چاہتا ہوں۔

لیگر انڈ نے نحیف آواز میں جواب دیا۔میرے دوست میری طاقت جواب دے رہی ہے۔میں بڑی مشکل سے گھوڑے کی زین پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

انور علی نے کہا۔اب تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔یہ علاقہ ہمارے لیے انتہائی غیر محفوظ ہے۔

بہت اچھا چلیے۔لیکن میرے ساتھ اس بات کا وعدہ کیجیے کہ اگر میں کسی جگہ گھوڑے سے گر پڑوں تو آپ اپنا سفر جاری رکھیں گے۔

میں تمہارے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں تمہیں ساتھ نہ لے جا سکا تو میری منزل سرنگا پٹم نہیں ہو گی۔میں جین کو یہ پیغام دے سکوں گا کہ میں تمہارے زخمی شوہر کو جنگل میں چھوڑ کر بھاگ آیا ہوں۔

قریباً دو گھنٹے بعد جنگل میں ایک اور چھوٹی سے ندی عبور کرتے ہوئے لیگر انڈ نے کہا۔ٹھہریے میں سخت پیاس محسوس کر رہا ہوں۔پھر وہ کسی توقف کے بغیر اپنے

گھوڑے سے اُتر پڑا۔ انور علی نے گھوڑے سے کود کر اسے سہارا دیا اور ندی کے کنارے بیٹھا دیا لیگر انڈ پانی کے چند چلو پینے کے بعد بولا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر سستا لوں۔

انور علی نے شفقت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ میرے خیال میں یہ جگہ محفوظ ہے تم چند منٹ آرام کر سکتے ہو۔

لیگر انڈ کنارے سے ذرا ہٹ کر زمین پر لیٹ گیا۔ انور علی نے گھوڑوں کی لگامیں ایک درخت کی ٹہنی کے ساتھ باندھ دیں اور لیگر انڈ کے قریب بیٹھ کر اس کا سر زانو پر رکھ لیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہو؟ اس نے کہا۔

اب تکلیف زیادہ نہیں لیکن گھوڑے پر میری حالت بہت خراب تھی۔

انور علی نے لیگر انڈ کی نبض ٹٹولنے کے بعد اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر اضطراب کی حالت میں زخم کے آس پاس اس کا سینہ ٹٹولنے لگا۔ اچانک اس نے اپنی انگلیوں پر نمی محسوس کی اور بولا۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا خون بند نہیں ہوا اس پٹی کو کس کر باندھنے کی ضرورت ہے۔

بہت اچھا۔ لیکن جلدی کیجیے مجھے اس جنگل میں مرنا پسند نہیں۔

انور علی نے جلدی سے پٹی کھولی اور زخم پر ایک نیا پھاہا رکھنے کے بعد دوبارہ کس کر باندھ دیا۔ پھر اس نے ندی کے پانی سے اپنے ہاتھ دھوئے اور دوبارہ لیگر انڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

لیگر انڈ نے کراہتے ہوئے کہا۔ راستے میں ہمیں اپنا کوئی ساتھی نہیں ملا۔ میں حیران ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔

وہ جانتے ہیں کہ ان کے لیے کوئی راستہ محفوظ نہیں۔ وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر جنگل عبور کر رہے ہوں گے۔ اگر ہم پیدل ہوتے تو ممکن تھا کہ اب تک کسی آدمی ہمارے ساتھ ہو چکے ہوتے لیکن تاریکی میں ہمارے گھوڑوں کی آہٹ انہیں ہم سے دور رکھنے کے لیے کافی تھی۔

آپ کا کیا خیال ہے وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر دشمن کے سواروں نے صبح کے وقت پیچھا کیا تو وہ کئی آدمیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تاہم اگر ہمارے ساتھیوں نے رات کے وقت غلط راستے اختیار نہ کیے تو بہت سے آدمیوں کے بچ نکلنے کا امکان ہے۔ میں ان لوگوں کے متعلق بہت پریشان ہوں جو زخمی ہیں۔ وہ شاید زیادہ دُور نہ جا سکیں۔

لیگرانڈ اور انور تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ اچانک آس پاس جھاڑیوں اور درختوں کی شاخوں میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور اُن کے گھوڑے بدحواس ہو کر اُچھلنے لگے۔ لیگرانڈ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ خدا کے لیے آپ بھاگ جائیں ہم دشمن کے گھیرے میں آ چکے ہیں۔

انور علی نے جواب دیا۔ یہ ہمارے ساتھی ہیں دشمن کے آدمی نہیں ہو سکتے۔ تم اطمینان سے پڑے رہو۔ پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔ اگر تم مرہٹہ فوج کے سپاہی نہیں ہو تو یہاں تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ میں انور علی ہوں۔

ایک آدمی نے درخت سے نمودار ہو کر کہا۔ جناب میں نے آپ کی آواز پہچان لی تھی لیکن آپ کسی اور زبان میں باتیں کر رہے تھے اور یہ بیوقوف آپ کو انگریز سمجھتے تھے۔ ہمیں آپ کے گھوڑوں کی ٹاپ سے دھوکا ہوا تھا۔

انور علی نے کہا۔خدا کا شکر ہے کہ تم نے رات کے وقت ہمیں گولیوں کا نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔

تھوڑی دیر میں پچیس تیس آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انور علی نے کہا تمہارے اب یہاں ٹھہرنے اور باتیں کرنے کا وقت نہیں تم اپنا سفر جاری رکھو!

لیکن آپ؟ کسی نے سوال کیا۔

لیگرانڈ زخمی ہے اور اسے چند منٹ آرام کی ضرورت ہے۔ایک سپاہی نے کہا۔ جناب اگر یہ بات ہے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔انور علی نے جواب دیا۔تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں اور ہم تھوڑی دیر تک ان پر سوار ہو کر تم سے آملیں گے لیکن اگر ہم کسی اور سمت نکل جائیں تو تمہیں ہمارا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔

لیگرانڈ انور علی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے فرانسیسی زبان میں بولا۔آپ ان سے میرے ساتھیوں کے متعلق پوچھیے۔

انور علی نے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کہا۔تم میں سے کسی کو ہمارے یورپین ساتھیوں کے متعلق علم ہے؟

ایک سپاہی نے جواب دیا۔ جناب میں اُن کے ساتھ تھا۔میدان سے نکلتے وقت ان کا ایک ساتھی زخمی ہو گیا تھا اور جنگل کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی حالت خراب ہو گئی تھی اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیں، وہ لیگرانڈ کو تلاش کرنا چاہتے تھے۔

انور علی نے کہا۔اچھا تم روانہ ہو جاؤ۔تمہارے لیے جنوب مغرب کی سمت زیادہ محفوظ ہو گی۔

ہم بہت جلد تم سے آ ملیں گے۔

ایک سپاہی نے پوچھا جناب آپ کو خاں صاحب کے متعلق کوئی اطلاع ملی؟

نہیں لیکن تم وقت ضائع نہ کرو۔

یہ لوگ دوبارہ جنگل میں گائب ہو گئے اور انور علی کوئی آدھ گھنٹہ اور لیگر انڈ کے ساتھ رہا۔ بالآخر لیگر انڈ نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ میں اب تھوڑی دیر گھوڑے پر سواری کر سکتا ہوں۔

انور علی نے اسے سہارا دے کر بٹھایا اور پھر اس کے گھوڑے کی باگ کھول کر اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ساتھیوں سے جا ملے لیگر انڈ کی حالت پھر خراب ہو رہی تھی اور وہ بڑی مشکل سے گھوڑے کی زین پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور علی نے اپنا گھوڑا ایک زخمی کے حوالے کر دیا اور خود لیگر انڈ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا۔ راستے میں صبح تک ان کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو آدمی شامل ہو چکے تھے۔ لیگر انڈ کی حالت قابلِ رحم تھی۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے زین کا ہرنا پکڑ کر اپنا توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

طلوعِ آفتاب سے تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹی سے جھیل کے قریب پہنچ کر انور علی نے اپنے ساتھیوں کو رُکنے کا حکم دیا۔ لیگر انڈ کو گھوڑے سے اُتار کر زمین پر لٹا دیا گیا۔ بعض سپاہیوں نے اپنے تھیلوں سے باسی روٹیاں نکال کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں اور وہ جھیل کے کنارے بیٹھ گئے۔ انور علی کا ایک ساتھی جراحی کا کچھ تجربہ رکھتا تھا۔ اس نے پٹی کھول کر لیگر انڈ کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد کہا۔ گولی زیادہ دُور نہیں گئی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں گولی نکال کر زخم کو داغ دیتا ہوں۔

ورنہ تھوڑا تھوڑا خون اسی طرح رستا رہے گا۔

اگر تم سمجھتے ہو کہ اس طرح ان کی جان بچ جائے گی تو میں تمہیں اجازت دینے کے لیے تیار ہوں۔

اس نے لیگرانڈ کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے بعد فکر مند سا ہو کر کہا۔ اگر ان کا بُخار اتنا تیز نہ ہوتا تو میرا کام نسبتاً آسان ہوتا لیکن اب میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ راستے میں ان کا بہت سا خُون ضائع ہو چکا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ ایسی حالت میں زخم داغنے کی تکلیف ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی۔

لیگرانڈ نے مُلتجی نگاہوں سے انور علی کی طرف دیکھا اور کہا۔ انور علی پہلے میں اس بات پر مصر تھا کہ آپ مجھے وہیں چھوڑ دیں اور اپنی جان بچانے کی فکر کریں۔ لیکن اب میری آخری خواہش یہ ہے کہ میں موت سے پہلے جین کو دیکھ لوں۔ اگر کوئی صُورت ہو سکتی ہے تو مجھے سرنگا پٹم پہنچانے کی کوشش کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس جنگل میں میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔

انور علی نے کرب کی حالت میں گردن جھکا لی اور اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ جناب مجھے ان کی حالت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ انہیں کسی تاخیر کے بغیر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ انہیں کسی قابل جراح کی ضرورت ہے اور اگر ہم چتل ڈرگ پہنچ جائیں تو وہاں ان کا علاج ہو سکتا ہے۔

انور علی نے دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ تم اِحتیاط سے پٹی باندھو۔ اب یہاں سے آگے ان کے لیے گھوڑے کا سفر بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ میں انہیں اٹھانے کے لیے ایک کھٹولا تیار کرواتا ہوں۔

انوع علی کے ساتھیوں نے جلدی سے چند لکڑیاں کاٹیں اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ کر ایک کھٹولا تیار کر دیا۔ پھر انور علی اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ میرے دوستو میں جانتا ہوں کہ تم بہت تھکے ہوئے ہو اور تمہیں چند گھنٹے آرام کی ضرورت ہے لیکن لیگر انڈ کی جان بچانے کے لیے مجھے چند ایسے رضا کاروں کی ضرورت ہے جو اسی وقت میرے ساتھ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوں۔

یہ سُنتے ہی چند آدمی اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا۔ جناب ہم سب آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔

مجھے صرف آٹھ جفاکش آدمیوں کی ضرورت ہے۔

ایک سپاہی نے کہا۔ جناب ہم میں سے کوئی بھی پیچھے رہنا پسند نہیں کریگا۔ اس لیے آپ خود اپنی مرضی کے آٹھ آدمی منتخب کر لیں۔

انور علی نے یکے بعد دیگرے آٹھ آدمیوں کی طرف اشارہ کیا اور باقی ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اچانک انہیں ایک طرف سے گھوڑے کی ٹاپ سُنائی دی اور ایک سپاہی نے چوکنا ہو کر کہا جناب کوئی اس طرف آ رہا ہے۔

انور علی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنہا ہے تاہم تم چُپ چاپ منتشر ہو کر چھپ جاؤ!

انور علی کے ساتھیوں نے جلدی سے لیگر انڈ کو کھٹولے پر ڈالا اور اُسے اُٹھا کر پاس ہی گھنے درختوں کی آڑ میں لے گئے۔ باقی آدمی بھی اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک سوار جھیل کے کنارے پہنچا اور انور علی درختوں کی آڑ سے باہر نکل کر بلند آواز میں چلایا بھئی کوئی خطرہ نہیں یہ ہمارا ساتھی ہے۔

سورا انور علی کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور بھاگتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ یہ اُن آدمیوں میں سے ایک تھا جو بدر الزمان کے ساتھ مرہٹوں کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔اس نے کہا۔ جناب خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ ہیں۔

تم بدر الزمان کو کہاں چھوڑ آئے ہو۔انور علی نے سوال کیا۔

جناب وہ پرس رام کی قید میں ہیں۔ مرہٹوں نے راستے میں حملہ کر کے ہمارے تین ساتھ قتل اور چار پانچ زخمی کر دیے تھے۔بدر الزمان خاں بھی زخمی ہو گئے تھے۔اس کے بعد وہ ہمیں قیدی بنا کر پرس رام کے پاس لے گئے۔وہ بظاہر مرہٹہ سپاہیوں کی اس کارگزرری پر بہت نادم تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ اس کے ایما پر ہوا ہے۔اس نے بدر الزمان کو یقین دلایا تھا کہ اب ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دی جائے گی۔اور اس نے ان کے علاج کے لیے انگریزی فوج کا ایک ڈاکٹر بھی بلالیا تھا۔تاہم جب انہوں نے یہ پوچھا کہ ہمیں واپس جانے کی اجازت کب ملے گی تو بھاؤ نے کہا تھا کہ جنگ کے زمانے میں آپ لوگ میرے مہمان ہیں اور میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو نرگنڈ بھیج دیا جائے مجھے آدمی رات کے وقت بھاگنے کا موقع مل گیا تھا۔

تم نے راستے میں مرہٹوں کی فوج دیکھی ہے؟

جی نہیں میں مغرب کی سمت سے ایک لمبا چکر لگانے کے بعد اس طرف آیا ہوں۔چند اور سوالات پوچھنے کے بعد انور علی اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ابھی تم لوگ خطرے کی حدود سے باہر نہیں نکلے اس لیے تمہیں زیادہ دیر یہاں قیام نہیں کرنا چاہیے۔اگر دشمن پیچھا کرے تو تمہارے لیے لڑنے کی بجائے منتشر ہو کر جنگل میں چھپنے کی کوشش کرنا بہتر ہو گا۔رات کے وقت یہ جنگل تمہارے لیے

زیادہ محفوظ ہوگا اور تم کسی خطرے کے بغیر اپنا سفر جاری رکھ سکو گے۔ میں دوراگھوڑا بھی تمہارے حوالے کرتا ہوں اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ اس پر سواری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

جس وقت انور علی یہ باتیں کر رہا تھا۔ مرہٹہ فوج کے چند دستے جو صبح ہوتے ہی بھاگنے والوں کی تلاش میں روانہ ہو چکے تھے اس مقام سے کوئی پانچ میل دور مشرق کی طرف میسور کے پچاس ساٹھ سپاہیوں کو قتل کرنے اور کوئی ڈیڑھ سو آدمیوں کو گرفتار کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے۔

دوپہر کے وقت جنگل ختم ہو چکا تھا اور سامنے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں نظر آ رہا تھا۔ انور علی نے اپنے ساتھیوں کو رُکنے کے لیے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تم تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو میں ابھی اس بستی سے ہو کر واپس آتا ہوں۔ اگر یہ علاقہ محفوظ ہے تو ہم سفر جاری رکھ سکیں گے۔ ورنہ شام تک ہمیں یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔

انور علی کے ساتھیوں نے لیگرانڈ کو جھاڑیوں کی آڑ میں اُتار دیا اور انور علی بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دُور آگے مویشیوں کا ایک ریوڑ چر رہا تھا اور تین چرواہے ایک درخت کی چھاؤں میں سو رہے تھے۔ انور علی نے ایک چرواہے کے قریب جا کر اسے جگایا اور کہا کیوں بھی وہ تمہارا گاؤں ہے؟

چرواہے نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ جی ہاں۔

انور علی نے اپنی جیب سے ایک پگوڈا (چاندی کا سکہ) نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پوچھا۔ یہاں آس پاس مرہٹہ سپاہیوں کی کوئی چوکی ہے؟

چرواہے نے غور سے انور علی کی طرف دیکھا اور کہا۔ جناب اگر آپ میسور کے سپاہی ہیں تو آپ کو یہ پوچھنے کے لیے پگوڈا دینے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم سُلطان ٹیپو کی

رعایا ہیں۔ یہ واپس لے لیجیے۔

انور علی نے کہا۔ میرے دوست میرا مقصد تمہاری توہین نہ تھا۔ یہ اپنے پاس رکھو اور میرے سوال کا جواب دو۔

چرواہے نے کہا جناب مرہٹوں کی چوکی ہمارے گاؤں میں تھی۔ لیکن اب ان کا کوئی آدمی وہاں نہیں ہے۔

وہ وہاں سے چلے گئے ہیں؟

جناب وہ گئے نہیں بلکہ میسور کے سپاہیوں کی قید میں ہیں۔ انہوں نے ہمیں بہت تنگ کیا ہوا تھا۔ انہوں نے ہمارے گھر لوٹ لیے تھے اور ہمارے سردار کو بہت ذلیل کیا تھا۔ کل رات خدا نے ہماری فریاد سُن لی۔ وہ شراب سے مدہوش سو رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت ہمیں ان کی چیخیں سُنائی دیں اور پتہ چلا کہ میسور کے سپاہی پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے چوکی پر قبضہ کر لیا ہے۔

چوکی میں مرہٹوں کے کتنے آدمی تھے؟

جناب پہلے تو ان کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی لیکن چند دنوں سے صرف بیس آدمی رہ گئے تھے۔ جناب آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟

میں بہت دور سے آیا ہوں۔ انور علی یہ کہہ کر بستی کی طرف بھاگنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گاؤں کے سردار کی حویلی کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا اور ڈھونڈیا داغ کے علاوہ پچاس ساٹھ سپاہی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔

انور علی نے ایک ہی سانس میں کئی سوالات ڈھونڈیا داغ سے کر دیے۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ باقی فوج کہاں ہے؟

ڈھونڈیا داغ نے جواب دیا۔ میں چتل ڈرگ سے غازی خاں کی فوج کے

ساتھ آیا ہوں۔ شاہنوار کے قریب پہنچ کر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ آپ دھاڑواڑ کا قلعہ خالی کرنے والے ہیں۔ غازی خاں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ دریا کے پار رُک گئے ہیں اور مجھے انہوں نے آپ لوگوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے سوچا کہ مرہٹوں کی چوکی پر قبضہ کر کے شاید میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔ بدرالزمان اور باقی آدمی کہاں ہیں؟

بدرالزمان خاں مرہٹوں کی قید میں ہیں اور جو آدمی بچ گئے ہیں ان میں سے اکثر آج شام تک جنگل عبور کر لیں گے۔ اب انہیں آس پاس کے علاقے میں تلاش کرنا تمہارا فرض ہے۔ لیگر انڈ زخمی ہے ارمیں اُسے یہاں ایک میل کے فاصلے پر چھوڑ آیا ہوں اسے فوراً کسی محفوظ جگہ پہنچانا ضروری ہے۔ اگر ہم چتل ڈرگ پہنچ جائیں تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ وہ بہت تکلیف میں ہے اور ہم اسے لکڑی کے ایک کھٹولے پر ڈال کر لائے ہیں۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ اس کے لیے ایک آرام دہ پالکی کا انتظام کر دیا جائے۔

بستی کا سردار قریب کھڑا اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ میں آپ کو اپنی پالکی دے سکتا ہوں۔

انور علی نے کہا۔ میرے ساتھ بہت تھکے ہوئے ہیں اور زخمی کو اٹھانے کے لیے مجھے چند جفاکش آدمیوں کی بھی ضرورت پڑے گی۔

آدمیوں کا انتظام بھی ہو جائے گا لیکن آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دیر سے کچھ نہ کھایا۔ میں آپ کے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔

انور علی نے کہا۔ میرے ساتھی مجھ سے زیادہ بھوکے ہیں۔ آپ آٹھ آدمیوں کا کھانا تیار کروائیے۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔ زخمی کے لیے آپ کو دودھ کا انتظام

کرنا پڑے گا۔آپ کے پاس کاغذ قلم ہو تو منگوا دیجیے۔میں جانے سے پہلے ایک ضروری خط لکھنا چاہتا ہوں۔

میں ابھی لاتا ہوں۔سردار یہ کہہ کر بھاگتا ہوا اندر چلا گاے اور انور علی نے ڈھونڈیا داغ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔آپ تین چار قابلِ اعتماد آدمیوں کو گھوڑے تیار کرنے کا حکم دیں میں انہیں ضروری پیغام دے کر سرنگا پٹم بھیجنا چاہتا ہوں۔

لبستی کا سردار تین چار منٹ بعد ایک لکڑی کی صندوقچی جس میں کاغذ اور لکھنے کا سامان پڑا ہوا تھا لے کر آ گیا۔انور علی ڈیوڑھی کے اندر ایک کھاٹ پر بیٹھ کر خط لکھنے میں مصروف ہو گیا۔یکے بعد دیگر تین کاغذوں پر چند سطور لکھنے کے بعد وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا اور ڈھونڈیا داغ کی طرف متوجہ ہوا۔آپ کے آدمی تیار ہیں۔

جی ہاں وہ باہر کھڑے آپ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔

انور علی، ڈھونڈیا داغ کے ساتھ حویلی کی چار دیواری سے باہر نکلا۔سامنے چار سپاہی گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ان کے یکے بعد دیگرے تیوں کاغذ ایک سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔یہ خط تمہیں سرنگا پٹم پہنچ کر ہمارے گھر میں لیگرانڈ کی بیوی کو دینا ہے، یہ دوسرا خط میں نے سرنگا پٹم کے فوج دار کے نام لکھا ہے۔تم لیگرانڈ کی بیوی سے یہ کہو کہ اس کا خاوند زخمی ہے اور میں اسے چتل ڈرگ لے جا رہا ہوں۔اور اگر وہ چتل ڈرگ آنے کے لیے تیار ہو تو سرنگا پٹم کا فوج دار اس کے لیے سفر کا ضروری انتظام کر دے گا۔اور یہ تیسرا خط پہلے دو خطوط سے علیحدہ رکھو۔یہ راستے کی تمام چوکیوں کے افسروں کے نام ہے۔اگر تمہیں کہیں تازہ دم گھوڑے حاصل کرنے میں دقت پیش آئے تو یہ خط تمہارے کام آئے گے۔اب تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔سپاہی سلام کرنے کے بعد گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اس کے ساتھ

اس کے پیچھے ہو لیے۔

چند دن بعد لیگر انڈ چتل ڈرگ کے قلعے کے ایک کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ دریائے تنگھدرہ عبور کرنے کے بعد اس نے بیشتر راستہ بیہوشی اور نیم بیہوشی کی حالت میں طے کیا تھا۔ چتل ڈرگ سرنگا پٹم کے بعد سلطنت خداداد کا اہم ترین دفاعی حصار تھا اور یہاں لیگر انڈ کی دیکھ بھال کے لیے فوج کے بہترین طبیب اور جراح موجود تھے۔ اس کے زخم سے گولی نکالی جا چکی تھی لیکن چتل ڈرگ کے بہترین جراح کی ان تھک کوشش کے باوجود اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ رستے ہوئے ناسور اور دائمی بخار کے باعث وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا، انور علی صبح شام اس کی تیمار داری کے لیے موجود رہتا تھا۔ ایک رات اس کی حالت زیادہ خراب تھی اور انور علی اس کے بستر کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا لیگر انڈ نے کہا۔ موسیو آپ سو جائیں۔ میں آپ کو اس قدر تکلیف دینے کا حق نہیں رکھتا۔

انور علی نے جواب دیا۔ لیگر انڈ تم میری فکر نہ کرو جب تمہیں نیند آ جائے گی تو میں بھی سو جاؤں گا۔

لیگر انڈ نے کہا۔ اب مجھے نیند سے خوف آتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں سو گیا تو شاید دوبارہ میری آنکھ نہ کھلے۔ آپ کی تسلیوں کے باوجود میں یہ جانتا ہوں کہ میرا وقت اب قریب آ چکا ہے۔ میرے معالج زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن ان کی نگاہیں مجھے یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ میں موت کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ راستے میں مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ وہ یہاں پہنچ کر میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ اب کافی دن گزر چکے ہیں۔ اگر آپ کے ایلچی کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تو اسے اب تک یہاں پہنچنا چاہیے تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ اب میں زیادہ دیر اس کا

انتظار نہیں کرسکوں گا۔ آپ مجھے یہاں لانے کی بجائے سیدھے سرنگا پٹم لے جاتے تو اچھا ہوتا۔

انور علی نے کہا۔ لیگرانڈ سرنگا پٹم بہت دور ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ جین اب ایک دو دن میں یہاں پہنچ جائے گی۔

لیگرانڈ نے پُرامید ہو کر کہا۔ آپ نے پہرے داروں کو ہدایت کر دی ہے کہ اگر وہ رات کے وقت یہاں پہنچے تو اس کے لیے دروازہ کھول دیا جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ شاید پہرے دار رات کے وقت اسے قلعے میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں۔

انور علی نے جواب دیا۔ تم اطمینان رکھو جب وہ آئے گی تو پہریدار اسے یہاں لے آئینگے۔ نہیں وہ نہیں آئے گی۔ لیگرانڈ نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ انور علی نے پیار سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میرے دوست تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

انور علی ساری رات لیگرانڈ کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ کبھی درد سے کراہتا ہوا آنکھیں کھولتا اور اس کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو جاتا اور کبھی دیر تک بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہتا پچھلے پہر لیگرانڈ سو رہا تھا۔ انور علی نماز کے لیے اُٹھا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر قریب بیٹھ گیا۔ لیگرانڈ ابھی تک گہری نیند کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ انور علی گزشتہ بے آرامی کے باعث نڈھال ہو چکا تھا اور کچھ دیر اونگنے کے بعد اسے بھی نیند آ گئی۔

طلوع آفتاب سے کچھ دیر بعد اسے کمرے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سُنائی دی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ جین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

ایک ثانیہ کے لیے انور علی کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ پھر وہ کرسی سے اٹھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ابھی لیگرانڈ کو جگانا ٹھیک نہیں، اسے بڑی دیر کے بعد نیند آئی ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔

جین کی نگاہیں لیگرانڈ کے چہرے پر مرکوز تھیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔

اب ان کا کیا حال ہے؟ جین نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

انور علی نے جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو دیکھتے ہی ان کی حالت بہتر ہو جائیگی۔ تشریف رکھیے!

جین آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ انور علی نے پاس ہی دوسری کرسی اُٹھائی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ جین نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ لیگرانڈ کی پیشانی پر رکھ دیا اور پھر انور علی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ان کا بُخار بہت تیز ہے؟

انور علی نے آگے بڑھ کر لیگرانڈ کی نبض ٹٹولتے ہوئے کہا۔ رات کے وقت اس کا بُخار زیادہ تیز تھا۔ میں ابھی طبیب کو بلاتا ہوں۔ امی جان کیسی تھیں؟

وہ بالکل ٹھیک تھیں۔ معاف کیجیے مجھے ان کے متعلق کچھ کہنا یاد نہیں رہا۔ ابھی تک میرے حواس دُرست نہیں ہوئے۔ مجھے یہ تمام واقعات ایک بھیانک سپنا معلوم ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ جین کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔

انور علی نے کہا جین! لیگرانڈ کو حوصلہ دینے کے لیے تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔

انور علی کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیگرانڈ نے کچھ دیر کراہنے کے بعد آنکھیں

کھول دیں اور چند ثانیے سکتے کے عالم میں جین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نحیف آواز میں جین جین کہتے ہوئے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور جین نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

لیگرانڈ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ جین تم یہاں تھیں اور میں تمہیں ہزاروں میل دور پیرس کی گلیوں میں تلاش کر رہا تھا۔ میں تمہارے انتظار میں موت سے لڑ رہا تھا اور اب میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ جین میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم کب آئیں؟ تمہیں یہاں پہنچتے ہی مجھے جگا دینا چاہیے تھا۔

میں ابھی آئی ہوں۔ جین نے جواب دیا۔ انور علی کہتا تھا کہ آپ بہت دیر کے بعد سوئے ہیں۔

وہ کہاں گیا ہے؟

وہ طبیب کو بُلانے گیا ہے۔

اب مجھے طبیب کی ضرورت نہیں۔ جین مجھے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ تمہارے چہرے پر ایک دائمی مسکراہٹ دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ لیکن میں تمہیں آنسوؤں کے سوا کچھ نہ دے سکا۔

جین نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ زخم میں زیادہ تکلیف تو نہیں؟

لیگرانڈ نے اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے جواب دیا۔

اب مجھے اس کے سوا کسی اور بات کا احساس نہیں کہ تم میری نگاہوں کے سامنے ہو۔

اب مجھے موت کا چہرہ بھی بھیانک محسوس نہیں ہوتا۔

لیگرانڈ نے کچھ دیر کھانسنے کے بعد پانی مانگا۔ جین نے جلدی سے اُٹھ کر پاس

ہی ایک صُراحی سے پانی کا پیالہ بھرا۔ لیگرانڈ سے کراہتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے جین کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا پکڑ کر منہ سے لگالیا۔ پانی پینے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا اور چند ثانیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس کی آنکھیں ایک ناقابلِ برداشت تکلیف کا اظہار کر رہی تھیں۔

انور علی طبیب اور ایک سپاہی جو دواؤں کا صندوقچہ اٹھائے ہوئے تھا۔ کمرے میں داخل ہوئے جین کھڑی ہوگئی۔ طبیب نے لیگرانڈ کی نبض دیکھنے کے بعد انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ میں ان کا زخم صاف کرنے کے بعد پٹی تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ آپ چند منٹ کے لیے مادام کو دوسرے کمرے میں بٹھا دیں۔

جین نے کہا۔ نہیں میں یہیں رہوں گی۔

جب طبیب پٹی کھولنے لگا تو انور علی نے کہا مادام آپ بیٹھ جائیں۔

جین کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد لیگرانڈ کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر طبیب نے انور علی سے کہا۔ آج ان کی حالت کچھ بہتر معلوم ہوتی ہے لیکن انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ ان کے لیے زیادہ باتیں کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ میں اور دوا بھیج دیتا ہوں۔ آپ تین تین گھنٹے کے بعد ایک ایک پُڑیا کھلاتے رہیں۔ اگر انہیں نیند آجائے تو جگانے کی کوشش نہ کریں۔

طبیب اور اس کے ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے اور انور علی جین کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک نوکر طشت میں دودھ کا کٹورا اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ انور علی آگے بڑھا اور لیگرانڈ کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ لیگرانڈ تمہارا ناشتہ آگیا ہے۔

لیگرانڈ نے کہا۔ مجھ سے پہلے آپ کو جین کا خیال کرنا چاہیے تھا۔

تم فکر نہ کرو جین کا کھانا آرہا ہے۔

نوکر نے طشت آگے کر دیا اور انور علی نے دودھ کا پیالہ اُٹھا کر لیگرانڈ کے منہ سے لگا دیا۔ دُودھ کے چند گھونٹ پینے کے بعد لیگرانڈ نے کہا۔ بس میں اس سے زیادہ نہیں پی سکتا۔ لیگرانڈ نے پیالہ دوبارہ طشت میں رکھ دیا اور انور علی نے نوکر سے کہا اب تم میم صاحب کے لیے کھانا لے آؤ اور اس کے بعد ان کے لیے یہاں ایک کھاٹ ڈال دو۔

جین نے کہا۔ مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے۔

نہیں آپ تھوڑا بہت ضرور کھا لیجیے؟

نوکر نے کہا۔ اور آپ کا کھانا بھی یہیں لے آؤں؟

انور علی کی بجائے لیگرانڈ نے جواب دیا۔ ہاں لے آؤ۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ آج کھانا نہیں کھائیں گے۔ میرے خیال میں آج انہوں نے ناشتا بھی نہیں کیا۔

ایک گھنٹہ بعد انور علی نے لیگرانڈ اور جین سے اجازت لی اور ساتھ کے کمرے میں چلا گیا۔ گزشتہ بے خوابی اور تھکاوٹ کے باعث اس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ وہ نڈھال ہو کر ایک کھاٹ پر لیٹ گیا۔ چند منٹ بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ دو بجے کے قریب سے نوکر نے جھنجھوڑ کر جگایا اور کہا۔ جناب میم صاحب آپ کو بلا رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ لیگرانڈ کی حالت ٹھیک نہیں۔

انور علی جلدی سے اٹھا اور بھاگتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ لیگرانڈ سخت تکلیف کی حالت میں کراہ رہا تھا اور جین اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔

کیا ہوا؟ انور علی نے بڑھ کر گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

جین نے جواب دیا۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں۔ ابھی آپ کو آوازیں دے

رہے تھے۔ انور علی نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور نوکر سے کہا۔ تم فوراً طبیب کو بلاؤ۔ نوکر چلا گیا۔

لیگرانڈ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ میرے دوست طبیب کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

انور علی کرسی گھسیٹ کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

لیگرانڈ نے تکلیف کی حالت میں تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور پھر انور علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ انور علی مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میرے بعد تم جین کا آخری سہارا ہو۔ زندگی میں تم میرے سب سے مُحسن تھے اور موت کے وقت اپنی روح کے لیے میں یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ تم جین کو بے چارگی کا احساس نہیں ہونے دو گے۔

لیگرانڈ! انور علی نے آبدیدہ ہو کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن الفاظ اس کے سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔

لیگرانڈ نے کہا۔ انور علی میں جین کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہ دے سکا۔ لیکن تم اگر چاہو تو اسے زندگی کی تمام مسکراہٹیں اور قہقہے عطا کر سکتے ہو۔

انور علی نے جین کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انور علی نے سراپا التجا بن کر کہا۔ اپنے شوہر کو تسلی دو۔ اسے کہو مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ اسے خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونے دو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔

جین نے اضطراری حالت میں اپنا ہاتھ لیگرانڈ کے ماتھے پر رکھ دیا اور سسکیاں لینے لگی۔ لیگرانڈ نے کہا۔ انور علی اب مجھے تسلیاں دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں

جانتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے اور مجھے قدرت سے کوئی شکایت نہیں۔ اس دنیا میں ہر مسافر کی ایک آخری منزل ہوتی ہے۔ مجھے صرف اس اطمینان کی ضرورت تھی کہ میرے بعد جین بے سہارا نہیں ہوگی۔ پھر اُس نے جین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگالیا اور دوسرا ہاتھ انور علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ انور علی ذرا قریب آجاؤ اور اپنا ہاتھ مجھے دو۔

انور علی نے کرسی گھسیٹ کر آگے کر لی اور اپنا ہاتھ لیگرانڈ کے ہاتھ میں دے دیا۔

لیگرانڈ نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ انور علی کا ہاتھ کھینچ کر جین کے ہاتھ کے اُوپر رکھ دیا اور ایک گہری سانس لینے کے بعد آنکھیں بند کرلیں۔

انور علی نے اپنے جسم میں ایک کپکپی محسوس کی اور مضطرب سا ہو کر کہا۔ لیگرانڈ! لیگرانڈ!

لیگرانڈ نے آنکھیں کھولیں۔ اسکی سانس اُکھڑ چکی تھی۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب تبسم کھیل رہا تھا، آہستہ آہستہ جین اور انور علی کے ہاتھوں پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی

طبیب ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا

آپ نے بہت دیر لگائی۔ انور علی نے کہا۔

میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ طبیب نے جواب دیا۔

لیگرانڈ نے اک جھرجھری لی اور انور علی نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

طبیب نے جلدی سے اس کی نبض دیکھی اور گردن جھکالی۔

جین کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی اور پھر بے اختیار لیگرانڈ کے سینے پر سر

رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

طبیب نے انور علی کے کندے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے بہت کم آدمیوں کو اس بہادری سے موت کا مقابلہ کرتے دیکھا ہے۔

چند منٹ بعد طبیب کمرے سے باہر نکل گیا۔ انور علی کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ بالآخر وہ اٹھا اور جین کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ جین تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے لیگرانڈ کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ چتل ڈرگ کے عیسائیوں کے ایک چھوٹے سے قبرستان میں دفن کیا جا رہا تھا۔

ایک ہفتہ بعد جین اپنے کمرے کے دریچے کے سامنے کھڑی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

کون ہے؟ جین نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

انور علی کی آواز سنائی دی۔ میں اندر آ سکتا ہوں؟

آیئے۔

انور علی کمرے میں داخل ہوا اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

انور علی چند منٹ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ جین مجھے ڈر ہے کہ مرہٹے عنقریب چتل ڈرگ پر حملہ کر دیں گے۔ ان حالات میں آپ کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کسی تاخیر کے بغیر سرنگاپٹم چلی جائیں۔ فوجدار کی بھی یہی رائے ہے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کل صبح آپ کے سفر کا

بندوبست کر دیں گے۔

جین نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کروں گی۔ یہ حکم نہیں بلکہ ایک مجبوری ہے۔ مجھے اپنے متعلق ابھی سرنگا پٹم سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ فوجدار کی خواہش ہے کہ مجھے یہیں روک لیا جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میں چند دن تک سرنگا پٹم یا کسی اور محاذ پر چلا جاؤں۔

جین نے کہا۔ میں کل جانے کے لیے تیار ہوں لیکن آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔

کہیے!

میں آپ سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ لیکن اگر میرے لیے نہیں تو کم از کم اپنی والدہ کی تسلی کے لیے خط ضرور لکھتے رہیں۔ دھاڑواڑ سے کئی ہفتے آپ کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملنے کے باعث وہ سخت پریشان تھیں۔

انور علی نے جواب دیا۔ دھاڑواڑ کے حالات ہی ایسے تھے کہ میرے لیے خط بھیجنا ناممکن تھا۔ لیکن اب میں ہر ہفتے کم از کم ایک خط ضرور لکھا کروں گا۔ اور لیگرانڈ کی وفات کے بعد مجھ پر آپ کے حقوق کم نہیں ہوئے بلکہ زیادہ ہو گئے ہیں۔ اب آپ آرام کریں۔ اگر کل موسم ٹھیک ہوا تو آپ کو علی الصباح روانہ کر دیا جائے گا۔

انور علی یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور چند ثانیے توقف کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا جین دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ لیگرانڈ کی موت کے بعد ایسے مواقع بہت کم آئے تھے۔ جب اس نے اطمینان کے ساتھ انور علی سے باتیں کی تھیں۔ وہ صبح شام اس کے کمرے میں آتا اور کھڑے کھڑے تسلی و تشفی کے چند الفاظ دُہرانے کے بعد واپس چلا جاتا۔ کھانا کھاتے وقت بھی جین یہ محسوس کرتی کہ وہ صرف مجبوری

کی حالت میں اس کے ساتھ شریک ہے ورنہ اس کے خیالات کہیں اور ہیں کبھی کبھی غیر شعوری طور پر اس کی نگاہیں جین کے چہرے پر مرکوز ہو جاتیں۔ لیکن جب جین اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کرتی تو وہ پریشان سا ہو کر اپنی آنکھیں نیچی کر لیتا جین کوئی سوال کرتی تو وہ مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔

شروع شروع میں جین کا خیال تھا کہ انور علی کو جنگ کی کلفتوں اور لیگرانڈ کی موت کے صدمے نے نڈھال کر دیا ہے اور چند دنوں، چند ہفتوں یا چند مہینوں کے بعد اس کے ذہن سے گزشتہ حادثات کے اثرات دُور ہو جائیں گے۔ لیکن اب وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان اجنبیت کے پردے زیادہ دبیز ہوتے جا رہے ہیں۔ انور علی نے جو اسے پانڈی چری کی بندرگاہ پر ملا تھا اور جس کے ساتھ اس نے سرنگا پٹم تک سفر کیا تھا، اب اس کے لیے ایک معمہ بن چکا تھا۔

اگلی صبح وہ سفر کی تیاری کرنے کے بعد انور علی کا انتظار کر رہی تھی۔ ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ آپ کے ساتھ سفر کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

جین نے گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ انور علی کہاں ہیں؟

سپاہی نے جواب دیا۔ وہ بھی قلعے کے دروازے پر کھڑے ہیں چلیے۔

جین سپاہی کے ساتھ چل پڑی۔ قلعے کے دروازے سے باہر چند سپاہی جو سرنگا پٹم سے اس کے ساتھ آئے تھے اپنے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے اور انور علی انہیں ہدایات دے رہا تھا۔ میم صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں راستے میں ان کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ اگر مجھے شکایت ملی کہ انہیں راستے میں کوئی تکلیف ہوئی ہے تو میں تمہارے ساتھ بہت سختی سے پیش آؤں گا۔ چند دن تک تمہیں راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اطمینان سے اور

آرام کے ساتھ سفر کرو!

جین انور علی کے پیچھے کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی اور اس کی سرد مہری کے متعلق وہ اپنے خیالات میں ایک تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ انور علی نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھا اور ایک گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس کے قریب لاتے ہوئے فرانسیسی زبان میں کہا۔ اب آپ سوار ہو جائیں۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے ایک منزل طے کر لیں۔

جین نے آبدیدہ ہو کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ انور علی نے اسے سہارا دے کر گھوڑے کی زین پر بٹھا دیا۔ وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ انور علی نے کہا۔ جین اگر خدا نے زندگی دی تو ہم دوبارہ ملیں گے۔ خدا حافظ۔

جین کے ساتھی اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے۔ اس نے خدا حافظ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور یہ قافلہ روانہ ہوا۔

میسور میں جین کی زندگی کا ایک باب ختم ہو چکا تھا اور انور علی کے یہ الفاظ کہ اگر خُدا نے زندگی دی تو ہم دوبارہ ملیں گے۔ اس کی داستان حیات کے ایک نئے باب کا عنوان بن چکے تھے۔ انور علی اب اس کے لیے ایک معمہ نہ تھا۔

اٹھارواں باب

دھاڑواڑ کی فتح کے بعد جنوب کی طرف مرہٹوں کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ پرس رام بھاؤ نے ماہِ اپریل کے آخر میں دریائے تنگ بھدرہ عبور کیا اور راماگری پر قبضہ کرلیا۔

لارڈ کارنوالس کو یہ اُمید تھی کہ دھاڑواڑ کی فتح کے بعد بھاؤ کا لشکر کسی تاخیر کے بغیر کمپنی کی افواج سے آملے گا۔ لیکن پرس رام بھاؤ اپنا عقب محفوظ کیے بغیر آگے بڑھنا خطرناک سمجھتا تھا۔ اس نے راماگری سے چتل ڈرگ کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن اسے ہر قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

مرہٹوں کا ایک اور لشکر گنپت راؤ مہین ڈیل کی کمان میں بڈنور کی طرف بڑھا اور اس نے چند علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ لیکن شموگہ کی فوج نے جوابی حملے کر کے اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔

ان حالات میں پرس رام بھاؤ نے چتل ڈرگ پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ بڈنور کے محاذ پر بھیج دیا۔ مرہٹوں نے بڈنور کے چند علاقے دوبارہ فتح کر لیے۔ اس کے بعد مرہٹوں کی پیش قدمی کی رفتار بہت سست تھی اور لارڈ کارنوالس جو میر نظام کے لشکر کے ساتھ بنگلور سے سرنگاپٹم کی طرف پیش قدمی کر چکا تھا۔ ایک بار پھر یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مرہٹہ حلیف دھاڑواڑ سے نکلنے کے بعد ایک دلدل میں پھنس گئے ہیں۔

اس عرصہ میں مرہٹہ فوج کے سپہ سالار ہری نپت کی سرگرمیاں سرا کے علاقوں تک محدود تھیں اور وہ جنوب کی طرف پیش قدمی کے لیے مناسب حالات کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اسے سرنگاپٹم کی طرف لارڈ کارنوالس اور نظام کی افواج کی پیش قدمی

کی اطلاع ملی تو اس نے شمال اور مغرب کے ہر محاذ کی مرہٹہ فوج کو سرنگا پٹم کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ لارڈ کارنوالس موسمِ برسات سے پہلے پہلے سرنگا پٹم فتح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مرہٹوں کی سُست رفتاری کے باعث اس کے تمام منصوبے خاک میں مل چکے تھے۔ منگلور سے نکلنے کے بعد اس نے راماگری اور میسور کے چند اور اہم قلعوں سے کترا کر ایک طویل اور دُشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ لیکن یہاں بھی اسے ہر قدم پر سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ راستے کے تمام بستیاں انسانوں کے وجود سے خالی تھیں اور انگریزی فوج کے چارے اور غلے کی ذخیروں کی جگہ راکھ کے انبار نظر آتے تھے۔ برسات شروع ہو چکی تھی اور چھوٹے چھوٹے نالے اور ندیاں دریا بن چکے تھے۔ چھاپہ مار دستوں کے پے در پے حملوں کے باعث رسد اور کمک کا نظام مکمل طور پر مفلوج ہو چکا تھا۔ چارے کی کمی کے باعث ہر روز سینکڑوں مویشی ہلاک ہو رہے تھے۔ سپاہیوں کو آدھے راشن پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔

قریباً دس دن کی مارا ماری کے بعد کارنوالس کی فوج ان گنت مصائب کا سامنا کرنے کے بعد سرنگا پٹم سے نو میل مشرق کی طرف دریائے کاویری کے کنارے پہنچ چکی تھی اور اس عرصہ میں سُلطان کی باقاعدہ فوج کا سامنا کیے بغیر اس نے جو نقصانات اٹھائے تھے وہ کسی بڑی جنگ کے نقصانات سے کم نہ تھے اور اب جب وہ سرنگا پٹم کے قریب پہنچ چکا تھا تو دریائے کاویری کی سرکش موجیں اس کے راستے میں حائل تھیں۔

ایک دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ منور خان بھاگتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا۔ اور بلند آواز سے چلایا۔ بی بی جی۔ بی بی جی۔ مراد علی صاحب آ گئے ہیں۔ فرحت اور جین نچلی منزل؛ کے ایک کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ گئیں۔ مراد علی صحن

میں داخل ہوا۔اس کا لباس کیچڑ اور پانی سے لت پت تھا۔فرحت اسے دیکھتے ہی برآمدے سے نکل کر بڑھی۔اور بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گئی۔مراد علی نے کہا۔امی جان بارش ہو رہی ہے۔اور میرے کپڑے بارش سے بھیگے ہوئے ہیں۔

لیکن فرحت کو مراد کی موجودگی کے سوا کسی بات کا احساس نہ تھا،اس نے مراد علی کی آنکھوں اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔میرے لال تمہیں دیکھنے کے بعد میں ساری عمر اس بارش میں کھڑی رہ سکتی ہوں۔مراد علی اسے بازو کا سہارا دیے برآمدے کی طرف بڑھا۔وہاں جین کو دیکھ کر چند ثانیے اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔فرحت نے اپنی آنکھوں سے مسرت کے آنسو پونچھتے ہوئے شکایت کے لہجے میں کہا۔مراد تم نے بہت پریشان کیا۔مجھے کئی مہینوں سے علم نہ تھا۔آخر تم کہاں تھے۔مراد علی نے جواب دیا۔امی جان ہماری فوج پہلے مالابار کی ساحلی چوکیوں کی حفاظت پر مامور تھی۔اس کے بعد مجھے بدنور کے شمال میں مرہٹہ لشکر کی نقل و حرکت معلوم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔پھر مجھے دریا کے کنارے ایک چھوٹے سے قلعے کی حفاظت پر متعین کر دیا گیا،ان حالات میں میرے لے خط لکھنا ناممکن تھا۔فرحت نے کہا بیٹا میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں پہلے تم نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر لو۔مراد نے جاب دیا۔امی جان اگر شام تک بارش کا یہی حال رہا تو مجھے لباس تبدیل کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔میں سورج غروب ہوتے ہی واپس چلا جاؤں گا۔کہاں،ماں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔مراد علی مسکرایا۔امی جان پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔اب میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا۔مجھے یہاں سے کوئی پانچ میل دور دریا کے دوسرے کنارے پہاڑی کی چوٹی کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔مجھے سرنگاپٹم کے مستقر میں حاضری دیتے ہی وہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فرحت نے منور خان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ منور تم مراد کے کپڑوں کا ایک جوڑا نکال کر غسل خانے میں رکھ دو۔ مراد علی قدرے جرات سے کام لے کر جین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس نے مغموم لہجے میں کہا۔ بہن مجھے لیگرانڈ کی موت کا بہت افسوس ہے۔ میں چتل ڈرگ سے ہو کر آیا ہوں، فرحت نے چونک کر سوال کیا۔ کیا تم انور سے ملے تھے۔ ہاں امی جان۔ ٹھیک ہے ناں۔ ہاں امی جان وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ جین بڑی مشکلوں سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فرحت نے کہا بیٹا چتل ڈرگ کے قلعے کو تو کوئی خطرہ نہیں، نہیں امی جان چتل ڈرگ کا قلعہ بہت مضبوط ہے۔ اور اب مرہٹوں کا رخ چتل ڈرگ کی بجائے سرنگا پٹم کی طرف ہے۔ منور خان ایک کمرے سے برآمد ہوا اور اس نے کہا جناب مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کونسا لباس پہنیں گے اس لیے میں نے سفید کپڑوں کے ساتھ ایک نئی وردی بھی نکال کر غسل خانے میں رکھ دی ہے۔ مراد علی مسکرایا۔ بھئی تم بہت ہوشیار ہو گئے ہو، مجھے صرف وردی کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر بعد مراد علی نئی وردی پہنے اپنی ماں اور جین کے ساتھ بالائی منزل کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، جین نے لیگرانڈ کی موت کی دردناک تفصیلات سننے کے بعد کہا۔ پچھلے ہفتے موسیو لالی یہاں آئے تھے۔ اور انگریزوں کی پیش قدمی کے متعلق بہت فکرمند تھے۔ اس کے بعد چند دن تک ہمیں کوئی تسلی بخش اطلاع نہیں ملی۔ کل ہم نے یہ خوشخبری سنی تھی کہ دریا کے پار لڑائی میں انگریزوں کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے ہیں۔ مراد علی نے کہا۔ یہ خبر درست ہے۔ انگریزوں کا واقعی ہی بہت نقصان ہوا ہے۔ اور انشاءاللہ آپ دو چار دن تک اس سے بڑی خوش خبری سنیں گی۔ گزشتہ چند دنوں میں حالات کافی بدل چکے ہیں۔ ہم نے انگریزی فوج کی رسد اور کمک کے تمام راستے کاٹ دیئے ہیں۔ اب انہیں

باہر سے اناج کا ایک دانہ تک نہیں مل سکے گا، ہمارے سواروں کے دستے تمام راستوں پر پہرے دے رہے ہیں، اب سرنگاپٹم سے زیادہ لارڈ کارنوالس کا اپنا لشکر محاصرے کی حالت میں ہے۔قدرت نے ہماری بروقت مدد کی ہے۔آپ خدا سے یہ دعا کریں کہ یہ بارشیں چند دن اور ختم نہ ہوں۔مجھے یقین ہے کہ کاویری کی طغیانی سے انگریزوں کے حوصلے سرد پڑ جائیں گے۔اس موسم میں سرنگاپٹم پر لارنس کارنوائے کا فوری حملہ سلطان کی خواہش کے عین مطابق ہوگا۔انگریزوں کے پڑاؤ پر ہماری ناکہ بندی اتنی سخت ہے کہ انہوں نے جو ایلچی مرہٹوں کی طرف روانہ کیے تھے۔وہ تمام گرفتار کر لیے گئے ہیں۔جین نے کہا آپ کا کیا خیال ہے کہ مرہٹے انگریزوں کی مدد کے لیے نہیں آئیں گے۔وہ ضرور آئیں گے مجھے ان کی نقل وحرکت کا پورا علم ہے، اور میں سلطان کو ان کی پیش قدمی سے باخبر کرنے کے لیے آیا ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ان کی آمد سے پہلے پہلے لارڈ کارنوالس کے دانت کھٹے کر سکیں گے، جین نے کچھ دیر بعد سوچنے کے بعد کہا۔میں میسور کے مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔لیکن اس جنگ میں سلطان کو تین طاقتوں سے نبٹنا پڑے گا، اور میسور کے جنگی وسائل بہر حال ان کی نسبت زیادہ محدود ہیں۔مراد علی نے جواب دیا۔میسور کے سپاہی اپنے جنگی وسائل کی بہ نسبت اپنے مقاصد کی برتری پر ایمان رکھتے ہیں، ہمارے لیے آزادی کی زندگی یا عزت کی موت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔دشمن ہماری لاشیں روند سکتا ہے۔ہمیں اپنی غلامی کا طوق پہننے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔لیکن آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔مجھے یقین ہے کہ میسور کی عزت اور آزادی کے دشمن اس مرتبہ اپنی تباہی کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں،



لارڈ کارنوالس کی مشکلات میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا، جو رسد وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔تقریباً ختم ہو چکی تھی۔چارے کی کمی کے باعث ہر روز اس کے کیمپ میں سینکڑوں گھوڑے اور مویشی ہلاک ہو رہے تھے۔بھوکے سپاہی مردہ جانوروں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو چکے تھے۔لگاتار بارشوں کے ساتھ۔پڑاؤ میں بڑھتی ہوئی غلاظت کے باعث، چیچک، پیچش اور دوسری وبائیں پھوٹ نکلیں۔اور لارڈ کارنوالس کو اپنا کیمپ بیماروں کا ہسپتال نظر آنے لگا۔میسور کے چھاپہ مار دستے کبھی دن اور کبھی رات کے وقت پڑاؤ کے آس پاس کے ٹیلوں اور پہاڑیوں پر نمودار ہوتے اور چند منٹ گولیاں برسانے کے بعد غایب ہو جاتے تھے۔کمپنی کے سپاہیوں کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان میں سے کوئی رات کے وقت نیند کی حالت میں بڑبڑا اٹھتا تو سارے کیمپ میں افراتفری پھیل جاتی۔میر نظام علی کے سپاہیوں کی حالت انگریزوں سے بھی زیادہ قابل رحم تھی۔

ان حالات میں لارڈ کارنوالس نے کسی تاخیر کے بغیر سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔قلعے کے قریب دریا کے قابل عبور حصے تک پہنچنے کے لیے اس کے راستے میں ایک ایسی پہاڑی حائل تھی۔جس کی چوٹی پر میسور کی توپیں نصب تھیں۔کارنوالس نے پورے جوش وخروش کے ساتھ اس پہاڑی پر حملہ کیا۔اور ایک گھمسان کی جنگ کے بعد اس پر قبضہ کرلیا، میسور کی فوج کے چند دستے پیچھے ہٹ گئے اور انگریزی فوج دریا کے کنارے ان کے تعاقب میں دریا کے کنارے پہنچ گئی۔لیکن جزیرے کی توپوں کی شدید گولہ باری کے باعث انھیں سخت نقصانات کے ساتھ پسپا ہونا پڑا، اس ناکامی کے بعد لارڈ کارنوالس نے چند میل دور ہٹ کر ایک اور جگہ سے دریا عبور کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔

لارڈ کارنوالس مرہٹوں کی نقل و حرکت سے بے خبر تھا۔ اور اس کی آخری امید یہ تھی۔ کہ مالابار کے راستے جنرل ایبر کرومبی کی کمان میں کمپنی کی افواج اس کی مدد کے لیے پہنچنے والی ہیں۔ اور وہ رسد۔ اسلحہ اور بارود کی بہت بڑی مقدار اپنے ساتھ لا رہی ہیں، لیکن اچانک ایک دن اسے یہ اطلاع ملی کی راستے میں میسور کے دستوں نے حملہ کر کے اس کا بیشتر سامان چھین لیا ہے، اس اطلاع کے بعد لارڈ کارنوالس کی مایوسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اس نے بادل نخواستہ پسپا ہونے کا فیصلہ کیا۔۔۔۔۔

ایک رات حملہ آور فوج کے کیمپ سے آگ کے مہیب شعلے نمودار ہوئے اور میسور کیجاسوسوں نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ لارڈ کارنوالس نے اپنی سینکڑوں بیل گاڑیاں خیمے اور بارود کے سہے ذخیرے ایک جگہ جمع کر کے انہیں آگ لگا دی ہے، اور اس نے اپنی بیشتر توپیں بھی ضائع کر دی ہیں۔

اگلی صبح لارڈ کارنوالس واپس بنگلور کا رخ کر رہا تھا۔ بھوک اور بیماری کے باعث اس کے سپاہی قدم قدم پر راستے میں دم توڑ رہے تھے۔ بیل گاڑیوں سے محروم ہونے کے باعث جو تھوڑا بہت سامان یہ کندھوں پر اٹھا کر لائے تھے۔ وہ راستے میں پھینکا جا رہا تھا، عقب اور بازوؤں سے میسور کے حملے کے خوف کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی ساتھی گر جاتا تو اس کو سہارا دینے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ بارش کے طوفان میں کوئی چھ میل طے کر لینے کے بعد انگریزون کو اپنے سامنے سواروں کے چند دستے دکھائی دیئے اور ان کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جب لارڈ کارنوالس اپنے ساتھیوں کی صفیں درست کر چکا تھا تو سرپٹ سواروں کی ایک ٹولی اس کے سر پر پہنچی اور اسے علم ہوا کہ یہ لوگ میسور کے سپاہی نہیں بلکہ مرہٹہ لشکر کے ہراول دستے ہیں اور پرس رام بھاؤ۔ ہری پنت۔ اور دوسرے مرہٹہ سردار باقاعدہ فوج

کیساتھ صرف چند میل کے فاصلے پر ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے لشکر کو پہاری کے دامن میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ چند گھنٹے کے بعد رہٹوں کی باقی فوج بھی وہاں پہنچ گئی اور ہری نپت نے اپنے گھوڑے سے اترتے ہی لارڈ کارنولس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اب آپ کو پسپائی کا کیال ترک کر دینا چاہئے۔ ہم سرنگاپٹم فتح کیے بغیر واپس نہیں جائیین گے، لارڈ کارنولس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ تاہم اس نے انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے جواب دیا، اگر آپ لوگ دو تین تک اور یہاں نہ پہنچتے تو میرا کوئی سپاہی آپ کے طعنے سننے کے لیے یہاں زندہ نہ ہوتا، میں شکر گزار ہوں کہ ہمارے اتحادیون کی بروقت اعانت سے ہمارے واپس بنگلور پہنچنے کے امکانات زیادہ واضح ہو گئے ہیں۔ ہری پنت نے جواب دیا۔ جناب سرنگاپٹم پر چڑھائی کرنے سے پہلے اگر آپ ہمارانظار کر لیتے تو آپ کو ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ہ میں تو کئی دن تک یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ آپ سرنگاپتم کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے کہا۔ ہم نے برسات کے آغاز سے پہلے پہلے سرنگاپتم فتح کر لینے کا فیصلہ کے تھا۔ اور آپ میری تجاویز پر متفق تھے۔ میں نے چند دن یا چند ہفتے نہیں بلکہ چند مہینے تک آپ کا انتظار کرنے کے بعد بنگلور سے پیش قدمی کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے بعد میں آپ کے پاس کئی ایلچی بھیج چکا ہوں، جناب یہ ہماری کوتاہی نہیں بلکہ ہمارے دشمن کا کمال تھا کہ اس نے کوئی ایلچی ہمارے پاس نہیں آنے دیا۔ اور ہم نے جو ایلچی روانہ کے تھے وہ بھی لاپتہ ہیں۔ لیکن اب ہمیں ایک دوسرے پر الزام تراشنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اگر آپ کو رسد اور بارود کی ضرورت ہے تو ہم مہیا کر سکتے ہیں، اب اپ پسپائی کا خیال ترک کر دیں۔ نہیں لارڈ کارنوالس نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا، اب مجھ میں دشمن کے مزید

کمالات دیکھنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ آپ اگر مجھ پر کوئی مہربانی کر سکتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ آپ ہماری رہی سہی فوج کو بنگلور تک پہنچا دیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں سرنگا پٹم فتح کرنے کا ارادہ ترک کر چکا ہوں۔ لیکن میری فوج کا جائزہ لینے کے بعد آپ کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان حالات میں ہمارے لیے جنگ جاری رکھنا خودکشی کے مترادف ہے، آپ ہمیں جو رسد اور بارود دیں گے وہ چند دنون کے لیے کافی ہوگا، اس کے بعد آپ کے لشکر کی حالت ہمارے لشکر سے مختلف نہیں ہوگی۔ موسم برسات کے اختتام تک میں اپنی فوج کو دوبارہ منظم کر لوں گا۔ پھر اگر آپ نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم اس شکست اور ناکامی کا پورا بدلہ لے سکیں گے۔ اس وقت میرے سامنے یہ مسلیہ ہے کہ ہم جلد از جلد بنگلور پہنچ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ دشمن کے چھاپہ مار دستے اس وقت بھی ہمارے تعاقب میں ہیں۔ اور اگر سلطان ٹیپو نے سرنگا پٹم سے نکل کر ہمارا پیچھا کیا تو ہمیں ایک عبرت ناک تباہی ک اسامنا کرنا پڑے گا۔ ہری پنت نے بددل ہو کر کہا۔ بہت اچھا! اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔



ایک دن علی الصبح مراد مکان میں داخل ہوا۔ خادمہ صحن میں جھاڑو دے رہی تھی، مراد علی نے آگے بڑھ کر پوچھا، امی جان کہاں ہیں۔ خادمہ نے جواب دیا وہ اوپر نماز پڑھ رہی ہیں۔ اور جین کہاں ہے۔ خادمہ مسکرائی وہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں۔ مراد علی نے حیران سا ہو کر کہا جین نماز پڑھ رہی ہے۔ جی ہاں اور اب ان کا نام جین نہیں منیرہ خانم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سچ کہتی ہوں وہ اب مسلمان ہو چکی ہیں۔ مراد علی اپنے دل مے خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتا ہوا تیزی سے بالائی منزل کی

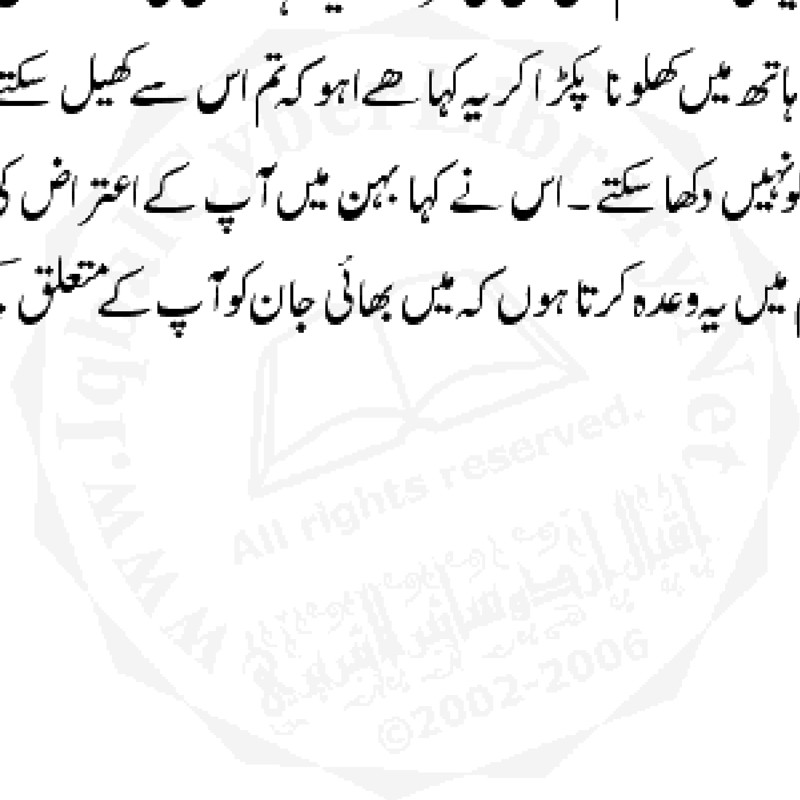
سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔آخری سیڑھی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔اور پھر دبے پاؤں آگے بڑھا۔بالائی منزل کے ایک کمرے سے اسے فرحت اور جبین کی آوازیں سنائی دئیں۔اور وہ دروازے کے سامنے رک کر اندر جھانکنے لگا۔فرحت اور جبین نماز سے فارغ ہو کر بارگاہ الٰہی میں ہاتھ پھیلا کر بیٹھی تھیں۔فرحت پر سوز آواز میں دعا مانگ رہی تھی۔اور جبین آہستہ آہستہ اس کے الفاظ دہرا رہی تھی۔مراد علی دروازے سے ایک قدم ہٹ کر یہ دعا سننے لگے۔۔۔مولائے کریم ہمارے سینے ایمان کی روشنی سے منور کر دے۔ہمیں ہمت دے کہ ہم زندگی کے آلام ومصائب کا مقابلہ کر سکیں۔تیری رحمت کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں۔ہمارے سلطان کو فتح دے اسے دین کا بول بالا کرنے اور اسلام کے دشمنوں کو مغلوب کرنے کی طاقت دے۔انور اور مراد کو ان کے باپ کی روایات پر چلنے کی ہمت دے۔میرے مولا وہ دن لا جب وہ فتح کے پرچم لہراتے ہوئے گھر واپس آئیں۔میرے مولا ہمارے سلطان کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کر۔آمیں۔دعا کے بعد وہ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئیں۔جبین نے کہا امی جان آج آپ بارش کے لیے دعا کرنا بھول گئی ہیں۔فرحت نے کہا بیٹی اب دشمن کی فوج پسپا ہو چکی ہے اب ہمیں بارشوں کے لیے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔امی جان سرنگا پٹم کے بعد ہمیں دوسرے محاذوں پر اسی قسم کی بارشوں کی ضرورت ہے۔آپ دعا کریں کہ ہمارے دشمنوں کو میسور کی سرزمین پر ایک لمحے کے لیے بھی چین نصیب نہ ہو۔اور وہ جہاں جائیں دنیا کے تمام بادل ان کے استقبال کے لیے وہاں موجود ہوں۔مراد علی نے کہا منیرہ بہن میں اندر آ سکتا ہوں۔فرحت اور جبین نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔اور مراد علی مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ماں بلائیں لیتی ہوئی آگے بڑھی۔اور پیار سے اپنے دونوں ہاتھ اس کے

سر پر رکھ دیئے۔ جے نے مصلی لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور فرحت سے دو تین قدم دور کھڑی ہوگئی۔ مراد علی نے جین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اگر خادمہ نے میرے ساتھ مزاق نہیں کیا اور آپ سچ مچ مسلمان ہوگئیں ہیں تو میں آپ کو اور آپ سے زیادہ امی جان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ منیرہ بہت اچھا نام ہے، چتل ڈرگ میں بھائی جان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نے خواب میں جین کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، منیرہ کاش آپ میری خوشی کا اندازہ لگا سکتیں۔ پھر اس نے گور سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اور فکر مند ہو کر کہا امی جان کیا بات ہے آپ بہت کمزور نظر آ رہی ہیں۔ بیٹا میں تمہارے جاتے ہی بیمار ہوگئی تھی۔ لیکن اس بیماری سے یہ فائدہ ہوا کہ تمہاری بہن نے اسلام قبول کرلیا ہے، منیرہ کا دل مدت سے اسلام قبول کر چکا تھا۔ لیکن میرا بخار اسے کلمہ پڑھوانے کے لیے ایک بہانہ بن گیا۔ اب تم اطمینان سے ہمیں بیٹھ کر جنگ کے حالات سناؤ۔ وہ قالین پر بیٹھ گئے اور مراد نے کہا، امی جان جنگ کے حالت اب ہمارے حق میں ہیں۔ اگر دشمن پر بارش کے طوفان نازل کرنے میں منیرہ بہن کی دعاؤں کا کوئی عمل دخل تھا تو میسور کے ہر سپاہی کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئیے۔ منیرہ نے مسکرا کر کہا۔ بھائی جان اگر میری دعاؤں میں کوئی تاثیر ہوتی تو آج سخت ترین بارش ہونی چاہئیے تھی۔ کل جب آسمان صاف ہونے لگا تھا تو میں نے بڑے درد کے ساتھ مزید بارش کے لیے دعا شروع کی تھی۔ آج بھی میں امی جان کے ساتھ تہجد کے لیے اٹھی تھی اور اس وقت سے دعا کر رہی ہوں۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ اب آسمان بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا۔ مراد علی ہنس پڑا اور فرحت نے کہا۔ بیٹا جنگ کے متعلق تم نے اپنی بات ختم نہیں کی۔ مراد علی نے کہا امی جان۔ خدا نے ہم پر بڑا فضل کیا ہے۔ لارڈ کارنولس اب مدت تک اپنے زخم چاٹتا رہے گا۔

وہ اپنا بیشتر جنگی سامان ضائع کرنے کے بعد یہاں سے بھاگا ہے۔ مالا بار کی طرف سے انگریزوں کی جو فوج آ رہی تھی وہ اپنا پورا توپ خانہ راستے میں چھوڑ کر پسپا ہو گئی ہے، ہمیں صرف ایک بات کا افسوس ہے اور وہ یہ کہ مرہٹوں کا ٹڈی دل لشکر بروقت پہنچ جانے کے باعث ہم لارڈ کرنوالس اور میر نظام علی کی فوج کا تعاقب جاری نہیں رکھ سکے۔ اگر مرہٹے صرف دو چار دن تاخیر سے کام لیتے تو میں آپ کو یہ خوش خبری سناتا کہ ہم نے میسور کی سرزمین پر کسی انگریز کو زندہ نہیں چھوڑا۔ منیرہ نے پوچھا، اب انگریزوں کی فوج کہاں ہے۔ اب وہ بنگلور پہنچ چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تیاری کے بعد دوبارہ سرنگا پٹم پر چڑھائی کریں گے۔ مراد علی نے جواب دیا۔ کارنوالس برسات گزرنے سے پہلے سرنگا پٹم پر دوبارہ حملے کی جرات نہیں کرے گا۔ لیکن مرہٹوں کی آمد کے باعث دوسرے محاذوں پر دشمن کی سرگرمیاں تیز ہو جائیں گی۔ مجھے آرام کے لیے تین دن کی چھٹی ملی ہے لیکن سلطان کا حکم ہے کہ فوج کے تمام افسر اور سپاہی چوبیس گھنٹے تیار رہیں۔ فرحت نے کہا بیٹا انور علی کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا۔ امی جان جنگ کے دنوں میں خط بھیجنا کوئی آسان نہیں ہوتا۔ بھائی جان کے متعلق آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ چتل ڈرگ کا قلعہ بہت مضبوط ہے۔ اور میں آج ہی ان کی طرف خط بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوں گے کہ منیرہ مسلمان ہو چکی ہے۔ نہیں نہیں بھائی جان آپ انہیں میرے متعلق کچھ نہ بتائیں، کیوں آپا جان یہ کوئی چھپانے والی بات تو نہیں۔ میں تو سارے شہر میں یہ منادی کرا دینا چاہتا ہوں کہ میری بہن مسلمان ہو چکی ہے۔ منیرہ نے ملتجی ہو کر فرحت کی طرف دیکھا۔ اور اس نے کہا۔ بیٹا منیرہ کی یہ خواہش ہے کہ تمہارا بھائی گھر پہنچ کر یہ خوش خبری سنے۔ اور میں یہ وعدہ کر چکی ہوں کہ میں انور کو اس کے مسلمان

ہونے کی اطلاع نہیں بھیجوں گی۔تم اگر چاہو تو اسے یہ لکھ سکتے ہو، کہ منیرہ بہت کوش ہے اور صبح شام تمہاری سلامتی کے لیے دعائیں کرتی ہے۔نہیں نہیں انہیں صرف یہ بتا دینا کافہ ہوگا کہ میں زندہ ہوں اور میرا نام منیرہ نہیں بلکہ جین ہے۔ بھائی جان آپ وعدہ کرین کے آپ انہین میرے مسلمان ہونے کے متعلق کچھ نہیں لکھین گے۔

مراد علی پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے ہاتھ میں کھلونا پکڑا کر یہ کہا ھےاہو کہ تم اس سے کھیل سکتے ہو لیکن اپنے ساتھیون کو نہیں دکھا سکتے۔اس نے کہا بہن میں آپ کے اعتراض کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔تاہم میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھائی جان کو آپ کے متعلق کچھ نہیں لکھون گا۔



انیسواں باب

سرنگاپٹم سے پسپائی کے بعد بنگلور میں اتحادی افواج کا اجتماع لارڈ کارنوالس کے لیے ایک پریشان کن مسلہء بن چکا تھا۔ مرہٹہ فوج اپنے ساتھ جو فالتو رسد لائی تھی۔ وہ اتنے بڑے لشکر کے لیے چند دنوں کی ضرورت سے زیادہ نہ تھی۔ میر ریاست علی اور مرہٹوں کی افواج جن راستون سے رسد اور کمک حاصل کرتی تھین۔ وہ سلطان ٹیپو کے طوفانی دستوں کے پے در پے حملون کے باعث مسدود ہو رہے تھے۔ برسات کی طغیانیون میں کرناٹک سے رسد اور سامان جنگ حاصل کرنے کے لیے پالا کڈھ کا درہ سب سے آسان اور مختصر راستہ تھا۔ لیکن اس درے میں سلطان کے چند مضبوط قلعے حائل تھے۔ لارڈ کارنوالس کسی تاخیر کے باعث ان قلعوں پر قبض کرنا اپنی زندگی اور موت کا مسلہء سمجھتا تھا۔ لیکن پرس رام بھاؤ، ہری نپت، اور نظام کی فوج کے افسر اپنا عقب غیر محفوظ سمجھ کر یہ مطالبہ کر رہے تھے۔ کہ انگریزی فوج ان کے ساتھ سرا کی پیش قدمی کرے۔ کارنوالس جیسے جہاندیدہ سپاہی کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ سرا کی طرف پیش قدمی سے جس قدر نظام اور مرہٹوں کی افواج محفوظ ہو جائیں گی۔ اسی قدر کمپنی کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ مرہٹہ سردار اور نظام کی فوج کے چند افسر کچھ دن تک لارڈ کارنوالس کے ساتھ بحث کرتے رہے۔ اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مرہٹے اپنی بیشتر فوج سرا کی طرف روانہ کر دیں۔ نظام کا لشکر شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کرئے اور انگریز کرناٹک کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے پالا کڈھ کے درے کی چوکیوں پر حملہ کر دین۔ چنانچہ ہری پنت نے اپنی فوج کے چند دستے کارنوالس کی اعانت کے لیے روک لیے۔ باقی مرہٹہ فوج پرس رام کی کمان میں سرا کی طرف روانہ ہو گئی۔ دکن کے سپہ سالار نے بھی اپنی پیادہ اور سوا

فوج کے چند دستے لارڈ کارنوالس کے سپرد کر دیئے۔اور باقی لشکر کے ساتھ گرم کنڈھ کی طرف روانہ ہوگیا،

جولائی کے وسط میں لارڈ کارنوالس نیجد شدید معرکوں کے بعد ہوسر اور رایا کو ئی کے قلعوں کے علاوہ پالا کڈھ کے درے کی چند اور چوکیوں پر قبضہ کرلیا،اور کمپنی کی فوج کے لیے کرناٹک سے رسد اور سامان جنگ حاصل کرنے کا راستہ صاف ہو گیا،اس کے بعد سرنگاپٹم کے گرد چند میل کے رقبے کے علاوہ سارےمیسور کو آگ اور خون کا طوفان اپنی آغوش ین لے چکا تھا۔مرہٹوں کی ٹدی دل فوج سرا اور اس کے جنوب مشرق میں دوسرے ذرخیز علاقوں کو تاخت وتاراج کر رہی تھی۔دکن کے سوار گرم کنڈہ کے اردگرد ایک وسیع علاقے میں تباہی مچا رہے تھے۔اور انا نگریزی افواج مغربی اور مشرقی ساحلوں کے درمیان جنوب کے وسیع علاقے فتح کرنے میں مصروف تھین۔

اتحادی سرنگاپٹم پر دوبارہ یلغار کرنے سے پہلے سلطنت خداداد کے ان قلعوں اور چوکیوں کو فتح کرنا ضروری سمجھتے تھے۔جن کی افواج کی ناکہ بندی نے اس سے قبل لارڈ کارنولس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے تھے۔لیکن مختلف محازوں پر چند مہینے خوزیز جنگین لڑنیکے بعد انھین بڑی شدت کے ساتھ اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ سرنگاپٹم کی طرح ان قلعون اور چوکیوں کی قوت مدافعت کے متعلق بھی ان کے اندازے غلط تھے۔میسور ایک وسیع دلدل تھا اور وہ آئے دن اس کے اندھنستے جارہے تھے۔

مرہٹوں نے چند اہم شہروں اور قلعوں پر نا کام حملوں کے بعد اپنی تمام تر توجہ ان زرخیز علاقوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد مرکوز کر دی تھی۔جہاں سے سلطان اپنی

افواج کے لیے رسد حاصل کرتا تھا۔شمال مغرب کے وسیع علاقوں میں انسانی بستیوں کی بجائے راکھ کے انبار ان کی بربریت اور سفاکی کی گواہی دے رہے تھے۔صوبہ سرا میں تباہی مچانے کے بعد پرس رام بھاؤ نے چتل ڈرگ کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن اسے جلد ہی چتل ڈرگ کی دفاعی قوت کا اندزہ ہوگیا۔اور وہ راستے کی چند چھوٹی چھوٹی بستیوں اور شہروں میں لوٹ مار کرنے کے بعد چاندگری کی طرف لوٹ آیا۔اس کے بعد اس نے بڈنور کارخ کیا۔اور راستے کی چند چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد شموگہ کے ضلع میں تباہی مچادی۔یہاں انگریزی فوج کے ایک ہزار سپاہی اپنے توپ خانے سمیت اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔اور جنوری ۱۷۹۱ کے آغاز میں انہوں نے پے درپے حملوں کے بعد شموگہ کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔

شموگہ کے بعد پرس رام نیبڈنور کی طرف پیش قدمی کی۔اور راستے میں انت پور کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔لیکن اس عرصے میں اسے یہ اطلاع ملی کہ میر قمر الدین کی قیادت میں میسور کے سوارون کا ایک لشکر بڈنور کی طرف بڑھ رہا ہے۔اس اطلاع نے اسے جنوب مشرق کی طرف پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔جنوری کے آخر میں پرس رام کی افواج ہوتری ڈرگ کے مقام پر لارڈ کارنوالس کے لشکر میں شامل ہوگئیں۔بڈنور سے پسپا ہونے کے بعد مرہٹون کا ٹدی دل لشکر اپنے راستے کی سینکرون بستیان برباد کرچکا تھا۔

سرنگا پٹم سے لارڈ کارنوالس کی پسپائی کو دس مہینے گزر چکے تھے۔اور ان دس مہینوں میں کم ازکم سات مہینے ایسے تھے جب کہ سلطنت خداداد کی تاریک کا کوئی دن خونریز معرکون اور سلطان ٹیپو کے اولوالعزم سپاہیوں کے تزکروں سے خالی نہ تھا۔ان سات مہینوں کے دن اور رات کے بیشتر لمحات ایسے تھے جو شیر میسور نے گھو

ڑے کی زین پر گزارے تھے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس کی نظیر پورے ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ میسور کے جنبازوں کا کتنا کون تھا جو کہ وطن کی آزادی کے لیے بہہ چکا تھا۔۔ کتنے شہر تھے جو ریران ہو چکے تھے۔ کتنی بستیاں تھیں جو راکھ کے انبار بن چکی تھیں۔ میسور کی رعایا کے کتنے آنسو تھے جو وطن کی خاک پر نچھاور ہو چکے تھے، اور میسور کے مجاہدون کے عزم و ثبات۔ جرات و شجاعت، اور ایثار و خلوص کی کتنی داستانین تھیں۔ جنہین تاریک اپنے صفحات میں جگہ نہیں دے سکی۔ آج دو صدیون کے بعد ہم ان سوالات کے صحیح جوابات نہیں دے سکتے۔ تاہم جن داستانوں کو مورخوں نے اپنی توجہ کے قابل سمجھا ہے وہ قیامت تک اس دنیا کے انسانون سے اپنا خراج تحسین وصول کرتی رہیں گی

۔لارڈ کارنوا کارنوالس کی پشت پر وہ قوم تھی جس کے جنگی وسائل محدود تھے۔ جنوبی ہند کے ساحلوں پر برطانیہ کے عظیم جنگی بیڑے کا تسلط تھا۔ اپنے رسد اور کمک کے راستے محفوظ کرنے کے بعد لارڈ کارنولس جس قدر اسلحہ او بارود اکٹھا کر چکا تھا۔ وہ اس کی ضرورت سے کہین زیادہ تھا۔ برطانیہ سے آئے تازہ دم سپاہی اس کی قوت میں اضافہ کرر ہے تھے۔ ہندوستان میں اس کے حلیف وہ تھے جو ہر میدان ین میسور کے ہر سپاہی کے مقابلے میں پانچ سپاہی لا سکتے تھے۔ ایک طویل عرصے کے لیے انگریزوں کے علاوہ ہندوستان کی دو بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنا سلطان ٹیپو کی سپاہیانہ زندگی کا عظیم ترین کارنامہ تھا۔ سلطان کی جنگ صرف دشمن کے خلاف مدافعانہ کاروائیون تک محدود نہ تھی۔ اس کے جانباز اگر ایک میدان میں چند میل پیچھے ہٹتے تو دوسرے میدان میں دشمن کو چند میل پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ ایک دن یہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں قلعہ یا فلاں شہر یا فلان چوکی پر دشمن نے قبضہ کرلیا ہے۔ تو دوسر

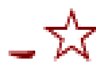
دن یہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں قلعے پر انگریزون مرہٹوں یا نظام کی بجائے سلطان ٹیپو کا پرچم لہرا رہا ہے۔ ایک دن لارڈ کارنولس کا لشکر ولور کی فتح پر خوشیاں منا رہا تھا تو چند دن بعد اس کے ایلچی اسے یہ خبر سنا رہے تھے کہ سلطان کی فوج نے کلوم ٹوپر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے۔ جن ایام میں پرس رام بھاؤ کی افواج شموگہ اور بڈنور کے علاقے تخت وتاراج کر رہی تھی۔ انہی ایام میں لارڈ کارنولس کے کیمپ میں یہ دہائی مچی ہوئی تھی۔ کہ سلطان کے فوجی دستے سلیم کے آس پاس انگریزوں کی چوکیاں تباہ کرنے کے بعد کرناٹک میں فورٹ سینٹ جارج کے دروازوں تک پہنچ چکے ہیں۔

ان جنگوں میں سلطان کے کئی تجربہ کار جرنیل شہید ہو چکے تھے۔ لیکن انگریز اور اتحادی یہ محسوس کر رہے تھے۔ کہ سلطان کے ترکش میں ابھی بہت سے تیر باقی ہیں۔ سلطان کا اولوالعزم بیٹا فتح حیدر ان نوجوان افسروں میں سے ایک تھا۔ جو اپنی تلواروں کی نوک سے سلطنت خداداد کی تاریخ کا ایک ورق الٹ رہے تھے۔ فتح حیدر کو اٹھارہ سال کی عمر میں میر نظام علی کے لشکر کے مقابلے کے لیے گرم کنڈہ کی طرف روانہ کیا گیا، حافظ فرید الدین کی قیادت میں حیدر آباد کی فوج نے گرم کنڈہ سے چند میل دور اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ لیکن جواں سال شہزادے نے اسے عبرتناک شکست دی۔ حافظ فرید الدین جنگ میں مارا گیا۔ اور فتح حیدر نے آگے بڑھ کر ایک شدید حملہ کے بعد گرم کنڈھ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود سلطان ٹیپو کی افواج اپنے محدود وسائل کے باعث جنگ کا پانسہ نہ پلٹ سکیں۔ یہ درست ہے کہ چند ماہ کے ان انگنت معرکون میں انگریزون، مرہٹوں اور نظام کے لشکر کے نقصانات میسور کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھے۔ لیکن ان کے وسائل اس قدر: لامحدود تھے کہ وہ ہر وقت اپنے نقصانات

کی تلافی کر سکتے تھے۔اپنے نقل وحمل کے راستے محفوظ کر لینے کے بعد انہیں اسلحہ۔ بارود اور رسد اور تازہ دم سپاہی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ پرس رام اور ہری پنت کی پشت پر پوری مرہٹہ قوم تھی۔حیدر آباد کیفوج کی اعانت کے لیے بھی تازہ دم دستے پہنچ رہے تھے۔انگریز سپاہیون کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوع چکا تھا۔لیکن سلطان کو باہر سے کسی اعانت کی امید نہ تھی۔میسور کے زرخیز علاقے جہاں سے اسے رسد ملتی تھی تباہ وبرباد ہو چکے تھے۔اتحادی کئی ایسے شہروں پر قبضہ کر چکے تھے جن کے کارخانوں میں میسور کے لیے اسلحہ اور بارود تیار ہوتا تھا۔سلطان کی آخری امید یہ تھی کہ جنگ کی طوالت کے باعث شدید اتحادی ایک دوسر کا ساتھ چھوڑ دئین۔لیکن یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی۔میر نظام علی اور نانا فرنویس انگریزوں کے ساتھ وطن کی آزادی اور عزت کا سودا کو چکے تھے۔

ماہ فروری ۱۷۹۲ کے آغاز میں انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کی افواج اپنے اپنے قب سے مطمئن ہو کر سرنگا پٹم کی طرف بڑھ رہی تھیں



ایک دوپہر فرحت اور منیرہ نچلی منزل کے ایک کمرے، میں بیٹھی ہوئی تھین۔ فرحت ایک کتاب پڑھ رہی تھی اور منیرہ کپڑا سینے میں مصروف تھی۔اچانک انہیں دروازے کے قریب مراد علی کی آواز سنائی دی۔امی جان۔فرحت کے ہاتھ سے کتاب گر پڑی اور وہ دم بخود ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔مراد علی لڑکھڑاتا ہو اکمرے میں داخل ہوا،منیرہ کپڑآ ایک طرف پھینک کر جلدی سے آگے بڑھی اور اس کا بازو پکڑ کر بولی بھائی جان کیا بات ہے۔کچھ نہیں بہن میں بالکل ٹھیک ہوں۔یہ کہہ کر مراد علی ااگے بڑھا اور فرحت کے قریب بیٹھ گیا فرحت چند ثانیے سکتے کے عالم

میں اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اس نے مراد علی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کراس کا سر اپنی آغوش میں لے لیا۔میرے لال، میرے لال تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔اور اتنی مدت کے بعد میرے کانوں کو بھی تمہاری آواز اجنبی محسوس ہوتی ہے۔ مراد علی نے تھکی ہوئی آواز میں کہا، امی جان مجھے کئی دن سے آرام نہیں ملا اور میں نے دو دن سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ میں ابھی کھانا تیار کرواتی ہوں منیرہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی، مراد علی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا امی جان بھائی جان کا کوئی خط آیا ہے۔ماں نے آبدیدہ ہو کر کہا ہمیں دو ماہ سے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی، اس نے اپنے آخری خط میں لکھا تھا کہ میں چتل ڈرگ سے شموگہ کی طرف جا رہا ہوں، اس کے بعد کوئی اطلاع نہ آئی۔ مراد علی کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا امی جان آپ فکر نہ کریں مجھے یقین ہے کہ بھائی جان محفوظ ہیں۔ موجودہ حالات میں ان کے لیے خط بھیجنا بہت مشکل ہے۔

منیرہ کمرے میں داخل ہوئی اور مراد کے قریب ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی، آپ کا کھانا چند منٹ میں تیار ہو جائے گا۔امی جان آپ کے متعلق بہت پریشان تھیں آپ اتنا عرصہ کہاں تھے۔مراد علی نے جوابا دیا گزشتہ چار ماہ سے میں غازی کے ساتھ تھا۔اور ہمیں کبھی عقب سے انگریزوں کے راستے کاٹنے اور کبھی اپنی رسد اور کمک کے راستے کاٹنے اور کبھی اپنی رسد کے قافلوں کی حفاظت اور کبھی مرہٹوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔گرم کنڈہ کی جنگ میں میں شہزادہ فتح حیدر کے ساتھ تھا۔اس کےبعد مجھے کوئمبٹور کے محاذ پر بھیج دیا گیا تھا۔کوئمبٹور فتح کرنے کے بعد ہمارے دستے کرناٹک کے وسط تک پہنچ چکے تھے۔اگر ہم چند دن تک شمال مشرق کی جانب سے مرہٹوں کی لاتعداد فوج کی پیش قدمی روک سکتے تو آج لارڈ

کارنوالس کو سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کی بجائے مشرقی ساحل کی بندرگاہیں بچانے کی فکر ہوتی۔ اور اب کیا ہوگا منیرہ نے مغموم لہجے میں سوال کیا۔ مراد علی نے جواب دیا اب میسور کی آزادی کی جنگ سرنگا پٹم کی خندقوں، فصیلوں، گلیوں اور بازاروں میں لڑی جائے گی، دشمن ہماری لاشیں روندے بغیر ہماری آزادی کے پرچم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اب ہماری کوشش یہ ہوگی کہ موسم برسات تک دشمن کو کاویری کے پار روکا جائے اور برسات کے موسم میں ہم اپنے دشمون پر پھر ایک بار یہ ثابت کرسکین گے کہ انہوں نے اس مرتبہ بھی ہماری قوت کا صحیح اندازہ لگانے میں غلطی کی ہے۔ فرحت نے پوچھا بیٹا اب تمہین کہین باہر تو نہیں بھیجا جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم امی جان، لیکن میرا خیال ہے کہ موسم برسات کے آغاز تک میں یہں رہون گا۔ لیکن یہان بھی میری مصروفیات ایسی ہوں گی کہ میں شاید ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکون۔

دریائے کاویری کی دوشاخون کے درمیان سرنگا پٹم کا جزیرہ ساڑھے تین میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ شمال مغربی کونے میں جزیرے کا تقریبا ایک تہائی حصہ قدیم شہر اور قلعے کی خندقوں اور فصیلوں کے اندر گھرا ہوا تھا۔ بیرونی فصیل کے بعض حصے بیس فٹ اور بعض پینتیس فٹ بلند تھے۔ شاہی محل شمال کی جانب تھا۔ قلعے کے شمال مشرقی کونے سے پانچ سوگ مشرق کی جانب جو مورچے تعمیر کیے گئے تھے۔ وہ مٹی کی ایک کشادہ اور بلند دیوار سے گھرے ہوئے تھے۔ جزیرے کے مشرقی حصے کے عین درمیان ایک پر رونق قصبہ شہر گنجام کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس سے متصل مشرقی کونے میں لال باغ تھا۔ دریا کی دوشاخون کے علاوہ جگہ جگہ بلند پشتوں پر سلطان کی توپیں اس جزیرے کی حفاظت کرتی تھیں۔ جزیرے کے اندرونی حصوں میں بھی جگہ جگہ فصیلوں اور پشتوں پر توپیں نصب تھیں۔ اس کے علا

وہ کناروں کے ساتھ ساتھ گھاس کے گھنے درخت اور خاردار جھاڑیاں ایک باڑ کا کام دیتی تھیں۔شمال مشرق کی طرف دریا کے پار ایک پہاڑی پر سلطان کے توپخانے ایک بیرونی دفاعی خط کا کام دیتے تھے۔پانچ ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل فوج جزیرے کے مختلف حصوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

۵فروری کے دن اتحادی افواج سرنگاپٹم کے شمال میں تقریباً چار میل کے فاصلے پر فرنچ راکس کے پیچھے پڑاؤ ڈال چکی تھیں۔لارڈ کارنوالس کی فوج بائیس ہزار آزمودہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔حیدرآباد کے اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے علاوہ کمپنی کی دو بٹالین شہزادہ سکندر جان کی کمان میں تھیں اور ہری پنت کے لشکر کے علاوہ بارہ ہزار مرہٹہ سوار سرنگاپٹم میں حصہ لینے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے لیے سرنگاپٹم پر قبضہ کرنا ان کے وقار کا مسئلہ بن چکا تھا۔انھیں اپنی قوت کی برتری کا احساس تھا۔لیکن اس کے باوجود جنگ کی طوالت کو اپنے لیے خطرناک سمجھتے تھے۔سرنگاپٹم پر گزشتہ حملے کے نتیجے میں لارڈ کارنوالس نے جو سبق سیکھا تھا۔اس کے بعد وہ برسات کی طغیانیوں کو سلطان ٹیپو کا سب سے بڑا حلیف سمجھتا تھا۔برسات کی آمد میں صرف اڑھائی یا تین مہینے باقی تھے۔اور اتحادی بڑی شدت کے ساتھ یہ بات محسوس کرتے تھے کہ اگر یہ جنگ برسات سے پہلے ختم نہ ہوئی تو بیرونی قلعوں اور چوکیوں میں سلطان کی رہی سہی فوج کی سرگرمیوں سے ان کا عقب انتہائی غیر محفوظ ہو جائے گا۔پرس رام بھاؤ کا لشکر اور بمبئی کے گورا سپاہی جو ایبروکمبی کے ساتھ آرہے تھے ابھی سرنگاپٹم کے راستے میں تھے۔سکندر جاہ اور ہری پنت حملہ کرنے سے پہلے ان کا انتظار کرنا چاہتے تھے۔لیکن کارڈنولس معمولی تاخیر بھی اپنے لے خطرناک سمجھتا تھا۔

۶ فروری کو غروب آفتاب سے دو گھنٹے بعد انگریزی فوج کے پیدہ دستے تین حصوں میں تقسیم ہو کر جزیرے کا رخ کر رہے تھے۔ دریا سے کچھ دور چلنے کی بجائے زمین پر رینگتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ سردی کے موسم میں دریا کے پایاب تھا۔ اور حملہ آوروں کے تین ڈویژن آدھی رات کے قریب شمالی مشرقی کنارے کے بعض مقامات پر پاؤں جما کر بانس کے گھنے درختوں سے اپنا راستہ صاف کر رہے تھے۔

سرنگا پٹم کے محافظوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ اور رات کے وقت بیرونی پشتوں کی جانب سے ان کی گولہ باری زیادہ موثر نہ تھی۔ سلطان کی سوار فوج کے میدان میں آنے سے پہلے حملہ آور چند پشتوں پر قبضہ کر چکے تھے۔ جنرل میدوز ایک دویژن کے ساتھ عید گاہ کے پشتے کی جانب جا نکلا۔ جہاں سید حمید کے دستے متعین تھے۔ سید حمید اور اس کے چار سو ساتھی لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور جنرل میدوز نے پشتے پر قبضہ کر لیا۔ اس عرصے میں انگریزی فوج کا دوسرا ڈویژن دولت باغ کے قریب شدت کی گولہ باری کا سامنا کرنے کے بعد پسپائی اختیار کر رہا تھا، تیسرا ڈویژن ایک گھمسان کی جنگ کرنے کے بعد مشرقی کنارے کی چند توپوں پر قابض ہو چکا تھا، رات کے تیسر پہر بیرونی مورچوں اور پشتوں کے محافظ ایک گیر منظم صورت میں جگہ جگہ حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور اس صورت حلا سے فائدہ اٹھا کر کارنوالس کی فوج کے چند دستے دریا عبور کر کے دولت باغ اور شہر گنجام کے مشرق میں کئی اہم مورچوں پر قابض ہو چکے تھے، طلوع عمر کے قریب سلطنا کے پیادہ اور سوار سپاہیوں نے ایک خونریز لڑائی کے بعد چند مورچوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن سرنگا پٹم کی دفاعی لائن دوبارہ ٹوٹ چکی تھی۔ اور طلوع آفتاب سے

کچھ دیر بعد حیدر آبادی اور مرہٹہ افواج بھی جزیرے کے بعض حصوں پر پاؤں جما چکی تھیں۔

گزشتہ رات کی لڑائی کے شدید نقصانات کے باوجود یہ کامیابی اتحادیوں کی توقع سے زیادہ تھی۔لیکن دوپہر کے وقت انہیں ایک بار پھر سلطان کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔میسور کے جانباز پے در پے حملوں سے انھیں دریا کیطرف دھکیل رہے تھے۔ لارڈ کارنوالس کو اس بات ک ایقین تھا کہ اتحادی افواج جزیرے پر پاؤں جمانے کے بعد چند گھنٹے کے اندر اندر قلعے کے دروازے توڑ رہی ہو گی۔لیکن اس کی توقع غلط ثابت ہوئی۔اتحادی افواج پورے اٹھارہ دنوں کی پیہم جدوجہد کے باوجود ان مورچوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔جن پر انھوں نے جنگ کے ابتدائی چند گھنٹوں میں قبضہ کرلیا تھا، قلعے کے اردگرد کے مورچوں اور پشتوں پر سلطان کے جانباز ابھی تک ڈٹے ہوئے تھے اور قلعے کی فصیلیں اور خندقیں لارڈ کارنوالس کو ایک اور طویل صبر آزما جنگ کا پیغام دے رہی تھیں۔ایک رات مراد علی نے اپنے مکان کی ڈیوڑھی پر دستک دی۔کریم خان نے دروازہ کھولا اور کہا، خدا کا شکر ہے کہ آپ آگئے دلاور خان کی حالت بہت خراب ہے۔کیا ہوا اسے۔مراد علی نے پریشان ہوکر پوچھا۔جی اسے بخار ہے طبیب ابھی دیکھ کر گیا ہے۔اور بی بی جی اس کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ مراد علیتیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ڈیوڑھی سے دور نوکروں کی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔دلاور خان آنکھیں بند کیے ہوئے بیٹھا تھا۔اور فرحت اور منیرہ اس کے پاس ایک چھوتی سی کھاٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔منور ایک طرفط دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔مراد علی اسلام وعلیکم کہہ کر آگے بڑھا۔اور اس نے دلاور کان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا، دلاور خان نے آنکھیں کھولیں اور چند ثانیے ٹکٹکی

باندھ کر مراد علی کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے نحیف آواز میں کہا۔ میں بڑی بے تابی سے آپ کا انتظار کر رہا تھا، بی بی جی کہتی ہیں لڑائی بند ہو گئی ہے۔ ہاں چچ لڑائی بند ہو گئی ہے۔ لیکن دشمن نے صلح کے لیے جو شرائط پیش کی ہیں۔ وہ شاید سلطان معظم کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔ پھر وہ فرحت کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ امی جان انھیں کب سے بخار ہے۔ بیٹا یہ پرسوں سے اسی طرح پڑا ہوا ہے۔ دلاور رکنا نے کہا آپ کو میری بیماری سے پریشان نہیں ہونا چاہئیے۔ مجھے یہ بتائیے دشمن نے صلح کے لیے کیا شرائط پیش کی ہیں،، مراد علی نے جواب دیا۔ دشمن نے ہماری آدھی سلطنت کے علاوہ تین کروڑ اور ساٹھ لاکھ کا مطالبہ کیا ہے۔ اس میں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہمیں فوراً ادا کرنا ہوگا۔ اور باقی ایک سال کے اندر اندر چار سالوں میں ادا کرنا ہوگا۔ جب صلح کے معاہدے کی تمام تفصیلات طے ہو جائیں گی تو فریقین جنگی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔ فرحت نے مغموم لہجے میں کہا، بیٹا یہ شرائط تو بہت سخت ہیں۔ مراد علی نے مغموم لہجے میں کہا ان حالات میں ہم اپنے دشمن سے اس سے بہتر بات کی توقع نہیں کر سکتے۔ وہ ہمارے زخم دیکھ چکے ہیں۔ اگر انھیں جنگ کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو وہ ان شرائط پر بھی صلح کے لیے آمادگی ظاہر نہ کرتے۔ آج زمانے کی گردش نے گیدڑھوں کو شیر اور گدھوں کو عقاب بنا دیا ہے۔ ہمارے لیے اس سے زیادہ المناک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ انگریز مسلمانوں کی عزت اور ناموس کے سب سے بڑے محافظ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ کہ تم اپنے دو بیٹوں کو یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے کر دو،

منیرہ نے آبدیدہ ہو کر کہا لیکن بھائی جان یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سلطان اپنے دو بیٹوں کو دشمن کے حوالے کر دیں،، مراد علی نے جواب دیا اس وقت سلطان معظم اپنے

بیتوں سے زیادہ اپنی رعایا کیمتعلق سوچتے ہوں گے۔ اگر انہیں صلح کی صورت میں میسور کا کوئی فائدہ نظر آیا۔ تو وہ ایک باپ کی محبت کو ایک حکمران کے فرائض پر اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔ دلاور علی ایک سکتے کے عالم میں مراد علی کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا، اور غضبناک لہجے میں چلانے لگا، نہیں نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ میسور کے سپاہی کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے، کہ ان کے شہدازے دشمن کے حوالے کر دیے جائیں۔ میسور کی رعایا کے لیے ایسی صلح موت سے بدتر ہو گی۔ جب ایسا وقت آئے گا تو وہ میسور کے شہزادوں کے راستے میں لاشوں کی سیج بچھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ مراد علی نے کہا، چچا آپ آرام سے پڑے رہیں، سلطان معظم کو اپنی رعایا کی وفاداری اور اپنے سپاہیوں کی ہمت و شجاعت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں،

دلاور خاں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک شدید کھانسی کا دورہ پڑا اور کھانسی کے باعث اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ دو تین منٹ کھانسنے کیبعد اس نے نڈھال سا ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور مراد علی نے اسے بازووں سے پکڑ کر بستر پر لٹا دیا، تھوڑی دیر کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ بالآکر مراد علینے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو کر کہا، امی جان آپ ارام کریں میں یہاں بیٹھتا ہوں۔ دلاور خان نے کراہتے ہوئے انکھیں کھول لیں اور مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر نحیف آواز میں کہا۔ آپ کو میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے،، آپ گھر جا کر کھانا کھائیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں ابھی تک شاید بی بی جی نے اور منیرہ نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ مراد علی نے تھوڑی دیر بعد تذبذب کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔ بہت اچھا میں ابھی آتا ہوں ۔منور تم چچا کے پاس رہو اور کریم خان کو بھی یہاں بلا لو۔ دلاور خان نے کہ نہیں جی کر یم خان کی یہاں ضرورت نہیں۔ وہ بہت بے وقوف ہے۔ کیوں چچا کیا کیا اس

نے۔

جی اسے بار بار نبض ٹٹولنے کا شوق ہے۔ اور مجھے اس کی تیمارداری سے تکلیف ہوتی ہے۔ جب صابر بیمار ہوا تھا تو وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میرا باپ اسی بیماری سے مرا تھا۔ اور اب میں بیمار ہوا ہوں تو وہ یہ کہتا ہے کہ میری ماں اسی بیماری سے مری تھی۔ شہر میں کوئی بیوقوف سنیاسی اس کا دوست ہے۔ اور اس نے اسے چند بوٹیوں کے نام بتا دیے ہیں۔ اب یہ ہر روز کسی درخت یا جھاڑی کے پتے توڑ کر میرے پاس لے آتا ہے۔ اور مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں حکیم صاحب کی دوائی کھانے کی بجائے اس کا نسخہ استعمال کروں۔ منیرہ نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا آپ نے اس کی کوئی دوائی کھائی تو نہیں۔۔ نہیں جی میں کوئی بے وقوف تھوڑی ہوں۔ مراد علی نے منور سے کہا۔ تم ان کا خیال رکھو اور کریم خان سے کہو ان کو پریشان نہ کرے۔ میں ابھی آتا ہوں آیئے امی جان۔ فرحت اور منیرہ اٹھیں اور مراد علی کے پیچھے کمرے سے نکل گئیں۔

۲۶ فروری کی دوپہر سلطان ٹیپو کے دو کمسن بیٹے، شہزادہ عبدالخالق اور شہزادہ معزالدین قلعے سے باہر نکلے اور سجے ہوئے ہاتھیوں پر سوار ہو گئے۔ ان کے آگے چند آدمی نیزے اور جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ پیچھے دو اور ہاتھیوں پر سلطان کے وکیل رضا علی اور غلام علی سوار تھے۔ ہاتھیوں کے پیچھے تقریباً دو سو پیادہ سپاہی اور سوار تھے، دروازے کے سامنے کشادہ میدان میں ہزاروں انسان اپنے حکمران کے بیٹوں کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔ سلطان ٹیپو فصیل کے ایک برج سے یہ دلگداز منظر دیکھ رہا تھا۔ شہزادہ عبدالخالق کی عمر آٹھ سال اور معزالدین کی عمر ابھی پانچ سال تھی۔ قلع کی توپوں نے سلامی دی اور یہ قافلہ روانہ ہوا، قلعے کی فصیل سے یہ

منظر دیکھنے والے سپاہیوں اور دروازے کے ساتھ کھڑے ہوئے لوگوں میں کوئی ایسا نہ تھا۔ جس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز نہ تھیں۔ لیکن سلطان کے چہرے پر ایک غایت درجے کا سکون تھا۔ ایک افسر نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا عالی جاہ، ڈھونڈیا داغ قدم بوسی کی اجازت چاہتا ہے، ڈھونڈیا داغ وہ کہاں ہے، عالی جاہ وہ ابھی ابھی پہنچا ہے۔ میں نے اسے کہا تھا کہ ابھی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ مصر ہے۔ بلاؤ اسے۔ افسر سلام کر کے نیچے اتر گیا اور تھوڑی دیر بعد ڈھونڈیا داغ سیڑھیوں سے نمودار ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلطان کے پاؤں چھونے کی کوشش کی، لیکن سلطان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کہا۔ مجھے تمہارے آداب پسند نہیں کہو کیا کہنا چاہتے ہو، ڈھونڈیا داغ نے آبدیدہ ہو کر کہا، عالی جاہ میں یہ التجا لے کر آیا ہوں کہ آپ شہزادوں کو دشمن کے حوالے نہ کیا کریں۔ سلطان نے جواب دیا اب ان باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ لیکن عالی جاہ صلح کے متعلق دشمن کی نیت نیک نہیں، میں کل سے دشمن کے پڑاؤ کا چکر لگا رہا تھا، اور میں نے اپنے کانوں سے کئی مرتبہ مرہٹے سرداروں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ شہزادوں کو قیدی بنا کر آپ سے بدترین شرائط منوانا چاہتے ہیں۔ سلطان نے کہا ڈھونڈیا داغ ایک سلطان کی زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے۔ جب اسے لڑنے کی بجائے اپنی تلوار کو نیام میں ڈالنے کے لیے زیادہ ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میرے دشمن کیسے ہیں، اور ان کے عزائم کیسے ہیں میں اپنے دشمنوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، اور عالیجاہ یہ جانتے ہوئے بھی آپ اپنے بیٹوں کو دشمنوں کے حوالے کر رہے ہیں، میری جنگ اپنے بیٹوں کے لیے نہیں تھی میسور کے لیے تھی۔ اور اب میسور کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی تلوار نیام میں ڈال

لوں۔ موجودہ حالات میں میں اپنی رعایا سے مزید قربانیوں کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ تم کاویری کے پار ہماری بستیوں کا حال دیکھ چکے ہو، جو دشمن کے ہاتھوں تباہ ہو چکی ہیں، اور میں تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یری بے بس رعایا کو امن کی ضرورت ہے۔ میں نے یہ جنگ شروع نہیں کی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں میسور کو اس جنگ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر چکا ہوں، اب اگر دشمن نے کسی وجہ سے صلح کے لیے آمادگی ظاہر کی ہے تو میں مستقبل کی امید پر حال کی تلخیاں برداشت کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ ڈھوندیا داغ نے کہا، عالی جاہ مجھے اپنی کمتری کا اعتراف ہے، میں وہ باتیں نہیں سوچ سکتا، جو میرے بادشاہ کے ذہن میں آسکتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپکا کوئی فیصلہ بھی غلط نہیں ہوتا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں ان شرافت اور انسانیت کے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا، جن کے باعث ہمیں یہ دن دیکھنا پڑ رہا ہے۔ میں مرتے دم تک یہ نہیں بھولوں گا کہ میرے آقا کے بیٹے میرے سامنے قیدی بنا کر لائے گئے تھے، میں انگریزوں کو معاف کر سکتا ہوں کیونکہ میسور کے حریت پسندوں کے ساتھ ان کی دشمنی کی وجہ میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن میں نظام اور مرہٹوں کو کبھی معاف نہیں کروں گا، جو ان چوروں اور ڈاکوؤں کو ہمارے گھروں تک لائے ہیں، ڈھونڈیا داغ اب تمہیں صبر سے کام لینا چاہیے، میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ جب تک ان کی طرف سے متارکہ جنگ کی شرائط کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ میں میسور کی حدود کے اندر تمہیں ایسے کسی اقدام کی اجازت نہیں دونگا۔ جو ہمارے درمیان وجہ نزاع بن جائے۔ ڈھونڈیا داغ نے جواب دیا۔ عالی جاہ خدا نے آپ کو ایک بادشاہ کا دل دیا ہے اور آپ صبر سے کام لے سکتے ہیں لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں، سلطان نے

قدرے تلخ ہو کر کہا ڈھونڈیا داغ تم کیا چاہتے ہو۔ کچھ نہیں عالی جاہ میں آپ کا ادنٰی غلام ہوں۔ اور مجھے میسور کی حدود کے اندر دم مارنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ لیکن میسور کی حدود سے باہر آپ میرے کسی فعل کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، مجھے اجازت دیجئے۔ تم جا سکتے ہو سلطان نے یہ کہہ کر منہ پھیر لیا،

اتحادی صلح کی شرائط طے کرنے سے پہلے تاوان جنگ کی پہلی قسط طے کرنے پر مصر تھے، لیکن ایک طویل جنگ کے اخراجات کے باعث سلطان کے بیت المال میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی مطلوبہ رقم پوری کرنے کے لیے روپیہ نہ تھا۔ اور اتحادی اسے چند دن کی بھی مہلت دینے کے لیے تیار نہ تھے، سلطان نے شاہی محل سے سونے اور چاندی کے برتن اور قیمتی جواہرات جمع کیے۔ شاہی خاندان کی خواتین نے بھی اپنے تمام زیورات اتار کر اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے۔ تاوان کی رقم جمع کرنے میں سرنگاپٹم کے تجارت پیشہ لوگوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہ لوگ رضا کارانہ طور پر سلطان کی خدمت میں پیش ہوتے اور حسب توفیق روپوں کی تھیلیاں اس کے قدموں ڈھیر کر دیتے۔ سرنگاپٹم کی با اثر خواتین بھی اس مہم میں حصہ لے رہی تھیں۔ وہ لوگوں کے گھروں میں جاتیں اور اپنی بہنوں سے چندے کے لیے اپیل کرتیں، مطلوبہ رقم ادا کرنے کے متعلق اپنے حکمران کا وعدہ پورا کرنا ہر امیر اور غریب کے لیے ایک قومی مسلہء بن چکا تھا۔ اور ہندوستان کی تاریخ میں راعی اور رعیت ایک نئی چیز تھی۔ ایک صبح چار کہار ایک خوبصورت پالکی اٹھائے شاہی محل کے دروازے پر نمودار ہوئے۔ پہریداروں نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ ایک فوجی افسر ڈیوڑھی سے نمودار ہوا۔ اور اس نے پالکی کے قریب پہنچ کر کہاروں سے سوال کیا۔ اس پالکی پر کون ہے۔ ایک کہار نے جواب دیا جناب اس پالکی پر انور

علی کی والدہ ہیں، انھیں نادر لے چلو۔ افسر یہ کہہ کر ان کے آگے چل پڑا، اور کہار اس کے پیچھے ہولیے۔ دوسری ڈیوڑھی کے قریب رک کر افسر نے کہاروں کی طرف دیکھا اور کہا تم یہاں ٹھہر جاؤ، میں دروا غہ صاحب کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہاروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے اندر چلا گیا۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد محل کا درواغہ ڈیوڑھی سے نمودار ہوا اور اس نے پالکی کے قریب آ کر کہا محترمہ آپ معظم علی کی بیوہ ہیں، جی ہاں۔ تشریف لائیے سلطان معظم آپ کا انتظار کر رہے ہیں، فرحت برقع اوڑھے پالکی سے باہر نکلی اور درواغہ کے پیچھے چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک طویل اور کشادہ برآمدے سے گزرنے کے بعد ایک کمرے کے اندر داخل ہوئے۔ داروغہ نے کہا آپ یہاں ٹھہریئے، سلطان معظم ابھی تشریف لاتے ہیں۔ داروغہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ فرحت نے برقع سے ہاتھ باہر نکال کر چاندی کی ایک صندوقچی اور مخمل کی ایک تھیلی ایک کرسی پر رکھ دی۔ اور کود دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ کشادہ کمرہ بیش قیمت قالینوں اور کرسیوں سے آراستہ تھا۔ کوئی دس منٹ کے بعد فرحت کے دائیں ہاتھ ایک دروازہ کھلا۔ اور سلطان ٹیپو برابر کے کمرے سے نمودار ہوا۔ فرحت اٹھ کھڑی ہوگئی۔ سلطان نے آگے بڑھ کر کہا آپ معظم علی کی بیوہ ہیں، جی ہاں تشریف رکھیے، فرحت بیٹھ گئی۔ سلطان نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ میں بہت مصروف تھا۔ مجھے اپ کا خط مل اتھا اگر آپ انور علی کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہیں تو اپ کو اتنی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے مراد علی کو بھیج دیا ہوتا معظم علی کا بیٹا میرے لے اجنبی تو نہیں۔ میں انور علی کے متعلق یہ طیمنان کر چکا ہوں کہ شموگہ کے قریب یک لڑ ائی میں زخمی ہو گیا تھا اور مرہٹوں نے اسے قیدی بنا کر زرگند بھیج دیا ہے۔ اب چند دن

تک قیدیوں کے تبادلہ ہوگا۔تو وہ انشاءاللہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔فرحت دوسری کرسی سے چاندی کی صندوقچی اٹھا کر اٹھی اور بولی عالی جاہ میں انور علی کے متعلق پوچھنے کے لیے نہیں آئی۔اس کے متعلق چتل ڈرگ کے قلعے دار کا خط میری تسلی کے لیے کافی تھا۔میں ایک اور کام سے ائی ہوں، یہ لیجیے اس صندوقچی میں میرے چند زیورات کے علاوہ وہ ہیرے ہیں جو آج سے بتیس سال قبل نواب سراج الدولہ نے اپنے وفادار سپاہی کی کدمت کے صلے میں دیئے تھے۔یہ سپاہی میرے شوہر کا باپ تھا۔جو پلاسی کی جنگ میں زخمی ہونے کے بعد جانکنی کی حالت میں مرشد آباد پہنچا تھا۔موجودہ حالات میں جب آپ کو ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے۔ میں ان ہیروں کا اس سے بہتر مصرف نہیں سوچ سکتی۔مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ سرنگا پٹم آنے سے پہلے ہم چند ہیرے اپنے مصرف میں لا چکے تھے۔

سلطان نے قدرے توقف کے بعد کہا۔میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میں اپنی بیوہ بہن کا تحفہ قبول نہیں کر سکتا۔میں جانتا ہوں کہ معظم علی کا خاندان میسور کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔لیکن جس ضرورت کے لیے میں نے اپنی رعایا کی مالی اعانت قبول کی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔انشاءاللہ کل تک دشمن کو تاوان کی پوری رقم ادا کر دی جائے گی۔عالیجاہ مجھے مرتے دم تک افسوس رہے گا کہ میں نے ایک فرض سے کوتاہی کی ہے۔میری بہن آپ کے دو بیٹے اور شوہر اس پرچم تلے شہید ہو چکے ہیں، اور میرے نزدیک ان کا خون روئے زمین کے تمام خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے،فرحت نے بددل سی ہو کر چاندی کی صندوقچی دوبارہ زمین پر رکھ دی۔اور مخمل کی تھیلی اٹھاتے ہوئے کہا۔عالیجاہ پرسوں ہمارا ایک نوکر وفات پا گیا تھا۔اس تھیلی میں اس کی عمر بھر کی کمائی ہے۔مرتے وقت اس نے یہ میرے سپرد کی

تھی اور میں نے اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی طرف سے یہ نذرانہ پیش کروں گی۔ اس کا کوئی وارث نہیں۔ نہیں عالی جاہ۔ سلطان نے آگے بڑھ کر فرحت کے ہاتھ سے تھیلی پکڑ لی اور اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر پہلے میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا خزانہ خالی ہو چکا ہے لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس حلات میں بھی میں روئے زمین کا امیر ترین آدمی ہوں۔ آپ کے نوکر کا کیا نام تھا۔ دلاور خان، فرحت نے جواب دیا۔ تھوری دیر کے بعد فرحت اپنے گھر کا رخ کر رہی تھی۔

اتحادیوں نے متارکہ جنگ کے ابتدائی شرائط نامہ میں سلطان سے ان اضلاع کا مطالبہ کیا تھا۔ جو پیشوا اور نظام کی سلطنتوں اور کمپنی کے مقبوضات سے ملحق تھے۔ لیکن سلطان کے بیٹوں کو حراست میں لینے اور مطلوبہ رقم وصول کرنے کے بعد وہ اپنی اپنی خواہشات کے مطابق ان شرائط کی تاویلیں کر رہے تھے۔ سلطان ٹیپو بارہ محل، ڈنڈے گل کے اضلاع اور مالابار کے بیشتر علاقے انگریزوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن کارنوالس کورگ کے علاوہ بلاری، گوٹی اور سلیم کے ان علاقہ جات پر بھی اپنا حق جتا رہا تھا، جو اتحادی مقبوضات کی کسی سرحد سے ملحق نہ تھے۔ انگریزوں کا مقصد مال غنیمت حاصل کرنے کے علاوہ مستقبل کے لیے سلطان کی دفاعی قوت کو زیادہ سے زیادہ مفلوج کرنا تھا۔ کورگ کا علاقہ مالابار کے ساحل اور سرنگا پٹم کے درمیان ایک اہم ترین حد فصیل کا کام دیتا تھا۔ اور یہاں فوجی اڈے قائم کرنے کے بعد انگریز سرنگا پٹم کے لیے ایک دائمی خطرہ بن سکتے تھے۔ کورگ کمپنی کے کسی علاقے سے ملحق نہ تھا، اور ابتدائی شرائط کے متعلق بحث و تمحیص کے دوران میں اس کا ذکر تک نہ آیا تھا۔ لیکن اب سلطان کے وکلاء کے اعتراضات کے

جواب میں لارڈ کارنوالس کے نمائندے بھیڑیئے کی روایتی منطق سے کام لے رہے تھے۔ اب ان کے نزدیک ملحقہ علاقوں سے مراد صرف وہ علاقے نہ تھے جن کی سرحدیں اتحادیوں کے مقبوضات سے ملتی تھیں۔ بلکہ وہ علاقے تھے جن کی سرحدیں اتحادیوں کے مقبوضات سے زیادہ دور نہ تھیں۔ سر جان کیناوے جسے لارڈ کارنوالس کی طرف سے معاہدے کی شرائط طے کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس غیر منصفانہ مطالبہ کے جواز میں دوسری دلیل یہ پیش کر رہا تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی گورک کے متعلق اس کے سابق راجہ کے ساتھ ایک علیحدہ معاہدہ کر چکی ہے۔ چند دن کی بے نتیجہ بحث و تمحیص کے بعد سلطان اور اتحادیوں کے درمیان مصالحت کی بات چیت ٹوٹ گئی، اور لارڈ کارنوالس نے سلطان پر دباؤ ڈالنے کے لیے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ جاری رکھنے کا حکم دے دیا۔ اتحادی افواج کی نقل و حرکت کے ساتھ ہی یہ خبر سرنگاپٹم میں سنی گئی کہ شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین کو مدارس کی طرف روانہ کیا جا رہا ہے۔ اور شہزادوں کے پاس جو دو سو سپاہی اور افسر بھیجے گئے تھے، انھیں غیر مسلح کر کے جنگی قیدیوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا ہے۔ لارڈ کارنوالس کی یہ حرکت متارکہء جنگ کی شرائط کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اس نے سلطان ٹیپو کو اس امر کا یقین دلایا تھا کہ صلح کی بات چیت ٹوٹ جانے کی صورت میں شہزادوں کو واپس بھیج دیا جائے گا اور تاوان کا ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ بھی واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اتحادیوں کی نیت بدل چکی تھی۔ اور انھیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ شہزادوں کو قیدی بنا کر سلطان سے اپنا ہر مطالبہ منوا سکتے ہیں، چنانچہ دوبارہ جنگ شروع کرنے کے متعلق اپنی دھمکیوں کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اتحادیوں نے دریائے کاویری کے آر پار لوٹ مار شروع کر دی۔ ایبرو کرومبی کی کمان میں انگریزوں کی ایک فوج نے

کارویری کے جنوب میں کئی بستیاں تباہ کر ڈالیں۔ انگریزوں کی ایک اور فوج نے لال باغ کے خوبصورت چمن ویران کرنے کے بعد شہر گنجام کی گلیوں میں لوٹ مار شروع کردی۔ نظام کے ایک لشکر نے گرم کنڈہ کے آس پاس حملے شروع کر دیئے اور بھاؤ کی افواج نے کاروبری کے شمال کی طرف تباہی مچا دی۔ ان حالات میں سلطان کے لیے لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مارچ کے دوسرے ہفتے میں سلطان کے سپاہی دن رات قلعے کے دفاعی استحکامات مضبوط کرنے میں مصروف تھے، قلعے سے باہر جزیرے کے مختلف مقامات پر انگریز اپنی بھاری توپیں نصب کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں فریق یکساں طور پر اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ کسی طرح یہ جنگ ٹل جائے، اتحادیوں کو اپنے سپاہیوں کی تعداد اور جنگی سامان کی برتری کے باوجود اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر سلطان اپنی بات پر ڈٹ گیا تو وہ کسی صورت برسات سے پہلے سرنگاپٹم کا قلعہ فتح نہیں کرسکیں گے۔ اور برسات کے موسم میں سرنگاپٹم سے باہر سلطان کی رہی سہی فوج کے لیے ان کے رسد اور کمک کے راستے کو کاٹنا مشکل نہ ہوگا۔ فتح کے لیے انہیں لاتعداد قربانیاں دینی پڑیں گی۔ اور شکست کی صورت میں انہیں عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا، دوسری طرف سلطان ٹیپو یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ تنہا ایک لامتناہی عرصے کے لے مرہٹوں، نظام اور انگریزوں کی لاتعداد فوج کے ساتھ جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے دشمن کی بدعہدی اور اشتعال انگیزی کے باوجود اس کا رویہ انتہائی مصالحانہ تھا۔

پھر ایک دن اچانک بڈنور سے میر قمر الدین کی ایک ڈویژن فوج سامان رسد کی ایک بھاری مقدار کے ساتھ سرنگاپٹم پہنچ گئی ہے اور مار دھاڑ کرتی ہوئی قلعے کے اندر داخل ہوگئی۔ میر قمر الدین خان کی آمد سے چند گھنٹے بعد اتحادی افواج کے رہنما

لارڈ کارنوالس کے خیمے میں جمع ہوکر ایک دوسرے کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ اب حالات بدل چکے ہیں اور اب ہمیں سنجیدگی کے ساتھ صلح کے متعلق سلطان کی پیش کش پر غور کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ۱۸ مارچ کو لارڈ کارنوال کی دعوت پر سلطان کے وکیل اس کے کیمپ میں پہنچے اور کارنوالس نے ان کے ساتھ ایک طویل بحث کے بعد صلح کے شرائط نامے کا ایک نیا مسودہ تیار کر کے دے دیا۔ صلح کے معاہدے میں جو ترمیمیں تھیں وہ ہری پنت اور نظام کے سپہ سالار سکندر جاہ کے نزدیک تسلی بخش نہ تھیں۔ مرہٹہ سلطنت کی حدود دریائے کرشنا تک بڑھادی گئی تھی، نظام کو کڑپہ۔ کانڈی کوٹ اور کمبم کے علاوہ دریائے کرشنا اور زیرین تنگ بھدرہ کے درمیان بعض اضلاع دے دیئے گئے تھے، سلطنت خداداد کی بندربانٹ میں انگریزوں نے اپنے لیے سب سے بڑا تر نوالہ رکھا تھا۔ انہوں نے ڈنڈے گل اور مالابار کا بیشتر ساحلی علاقہ اور کالی کٹ اور کنانور کی بندرگاہیں سلطان سے ہتھیالی تھیں۔ کورگ پر قبضہ جمانے کے متعلق بھی اپنا مطالبہ دہرایا تھا۔ چنانچہ متنازعہ فی علاقوں پر انہوں نے سلطان کا حق تسلیم کر لیا تھا۔ معاہدے کی شرائط کو اپنے لیے زیادہ سے زیادہ سودمند بنانے کے لیئے انگریز سلطان کے ساتھ جس بدعہدی اور فریب کاری کے مرتکب ہوئے تھے وہ ان کے سابقہ سیاسی کردار کے بالکل عین مطابق تھی۔ لیکن سلطان کی طرح اپنے حلیفوں کے ساتھ بھی انہوں نے کوئی نیک سلوک نہ کیا۔ اگر مرہٹے اور نظام چند علاقے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو اس کی وجہ انگریزوں کی دوست نوازی نہ تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی بھی وقت سلطان کے ساتھ صلح کر کے انگریزوں کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے تھے۔ بلکہ ان دو بڑی طاقتوں کی غیر جانبداری بھی انگریزوں کے لیے تباہی کا سامان پیدا کر سکتی تھی، اس لیے کارڈ

نوالس ان کی طرف چند ہڈیاں پھینکنے پر مجبور تھا۔

لیکن ٹراونکور کا راجہ جس کی اعانت کے بہانے انگریزوں نے یہ جنگ شروع کی تھی، ایک کمزور اور بے بس حلیف کی حالت میں لارڈ کارنوالس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا تھا اس لیے اسے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صاف طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ اس نے پہلے انگریزوں کی شہہ پر سلطان کے ساتھ جنگ کی ابتدا کی اور شدید نقصانات اٹھائے تھے۔ اس کے بعد اس نے انگریزوں کی اعانت کے عوض انھیں پچیس لاکھ ادا کیا تھا، پھر جب سلطان کے ساتھ انگریزوں کی باقاعدہ جنگ شروع ہوئی تو اس نے اپنے تمام فوجی اور اقتصادی وسائل ان کی نذر کر دیئے لیکن جنگ سے فارغ ہونے کے بعد انگریزوں نے اپنے اس بیوقوف اور بے بس اور کمزور دوست کو مال غنیمت میں حصہ دار بنانے کی بجائے اس کے بعض علاقے چھین کر راجہ کوچین کے حوالے کر دیا

اس جنگ میں انگریز اور اس کے حریف اگرچہ سلطان کو پوری طرح مغلوب نہ کر سکے لیکن وہ میسور کے اقتصادی اور فوجی وسائل پر ایک کاری ضرب لگنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ مالابار کے گرم مصالحے کی تجارت سلطان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا اور اب اس کا بیشتر علاقہ انگریزوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ بارہ محل اور کورگ پر قبضہ جمانے کے بعد انگریزوں کے لیے مشرق اور مغرب کی طرف سے میسور پر حملہ کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ ڈانڈے گل اور دریائے کرشنا اور تنگ بھندرہ کے درمیان سلطان اپنے زرخیز ترین علاقے سے محروم ہو چکا تھا اپنے اعتبار سے یہ جنگ انگریزوں کے لیے ان کے ہندوستانی حریفوں کا راستہ صاف کر چکی تھی۔

بیسواں باب

مارچ کے آخر میں جنگی قیدیوں کا تبادلہ اور اتحادی افواج کا انخلا شروع ہو چکا تھا۔ محاصرے کے دوران میں مرہٹہ، نظام اور کمپنی کے عساکر کے کیمپوں میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل چکی تھیں۔ اور ان کے لیے زخمیوں کے علاوہ سینکڑوں مریضوں کو نکالنے کا مسلہ پریشان کن بن چکا تھا۔ اس مرحلے پر سلطان نے انسانیت دوستی کا ایک اور ثبوت دیا۔ اور دشمن کے زخمی اور بیمار آدمیوں کے لیے ڈولی اور کہار بھیج دیئے تھے۔

ایک دن علی الصبح ہری پنت ایک کشادہ خیمے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک پہرے دار اندر داخل ہوا اور اس نے کہا، مہاراج میسور کی فوج کا ایک افسر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ اسے لے آؤ۔ پہرے دار باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سید غفار خیمے میں داخل ہوا اور اس نے آداب بجالانے کے بعد کہا جناب مجھے سلطان معظم نے بھیجا ہے۔ اور وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو کوئی اور مصروفیت نہ ہو تو وہ پورے دس بجے یہاں پہنچ جائیں گے۔

سلطان ٹیپو مجھے ملنے کے لیے آرہے ہیں۔ ہری پنت نے حیران سا ہو کر پوچھا۔ جی ہاں، انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ آپ کل جا رہے ہیں۔ ہری پنت نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس ملاقات کے لیے پہل میری طرف سے نہیں ہوئی۔ بہر حال میں ان کا شکر گزار ہوں آپ انہین اطلاع دیں کہ میں ان کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ سید غفار سلام کر کے باہر نکل گیا۔ خیمے سے تھوڑی دور اس کے پانچ ساتھی گھوڑوں کی باگیں تھامے ہوئے کھڑے تھے۔ سید غفار نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ لگا دی۔ اور اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی

دیر کے بعد ہری پنت کے چیدہ چیدہ سپاہی اور سردار اس کے خیمے سے باہر صفیں مر تب کر رہے تھے۔ دس بجے سلطان ٹیپو اور اس کے سواروں کا ایک دستہ مرہٹہ فوج کے کیمپ میں داخل ہوا۔ سپاہیوں کی صفوں کے قریب پہنچ کر سلطان اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ مرہٹہ سپاہیوں نے اسے سلامی دی۔ پھر ہری پنت نے آگے بڑھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور وہ خوبصورت قالینوں پر سے گزرتا ہوا خیمے کے اندر داخل ہوا۔ عالی جاہ تشریف رکھیئے۔ ہری پنت نے ایک مرصع کرسی کی طرف اشارہ کر تے ہوئے کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا توپ خانہ یہاں سے کل روانہ ہو چکا ہے۔ اور میں آپ کو سلامی دینے کا انتظام نہیں کر سکا۔ سلطان نے کہا میں اپنی ذاتی حیثیت میں یہاں آیا ہوں اس لیے رسومات کی ضرورت نہیں۔ آپ تشریف رکھیئے میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہری پنت دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ او رسلطان نے قدر توقف کے بعد کہا۔ اب ہماری جنگ ختم ہو چکی ہے اور میں اس کی تلخیوں کا ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیکھتا، لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اب آپ کو سرنگا پٹم کی طرف دیکھنے کی بجائے انگریزوں کے عزائم کے متعلق خبردار رہنا چاہئیے۔ میرا خاندان تقریباً تیس سال سے جنوبی ہند میں انگریزوں کی جارحیت کا سیلاب روکے ہوئے ہے۔ اور اس عرصے میں ہم نے اس سیلاب کی راہ میں جو دیواریں کھڑی کی تھیں وہ بہت حد تک منہدم ہو چکی ہیں، لیکن میں آپ کو اس حقیقت سے خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جب سرنگا پٹم کی آزادی کے پرچم سرنگوں ہو جائیں گے تو آپ یا نظام الملک، پونا اور حیدر آباد کے راستے میں کوئی اور نا قابل تسخیر دیوار نہیں کھڑی کر سکیں گے، میں کارنوالس کی ان مجبوریوں سے واقف ہوں۔ جن کے باعث اس نے جنگ کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن مجھے اس کی نیت کے

بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں، اسے نئی جنگ کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اور جب اس کی تیاریاں مکمل ہو جائیں گی، تو اسے دوبارہ جنگ شروع کرنے کے لیے کوئی بہانہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس وقت سرنگاپٹم کے معاہدے منگلور کے معاہدے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوں گے، لیکن آپ کو اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ انگریز دلی تک اپنے جھنڈے گاڑنا چاہتے ہیں اور سرنگاپٹم، پونا۔ حیدرآباد، اندور اور گوالیار وغیرہ ان کے راستے کی مختلف منزلیں ہیں، بنگال کی طرف سے انگریز لکھنو تک پہنچ چکے ہیں۔ اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ جنوب میں میسور کی رہی سہی قوت مدافعت کچلنے کے بعد انہیں اپنے راستے کی باقی منزلیں طے کرنے میں کتنی دیر لگے گی۔ کاش آپ مرہٹہ قوم کے اکابر کو میرا یہ پیغام پہنچا سکتے کہ ہم سب کی آزادی پورے ہندوستان کی آزادی کے ساتھ مشروط ہے۔ ہری پنت نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ مہاراج اب ہمیں انگریزوں کی نیت کے خلاف کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ ہم نے اس جنگ میں ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ میں دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آپ آج کے بعد مجھے اپنا دشمن نہیں پائیں گے۔ کاش ہم لوگ مل کر آپ کے مشورے پر عمل کرتے۔ میں ان جنگوں کے متعلق ہمیشہ ایک سپاہی کے ذہن سے سوچنے کا عادی تھا۔ لیکن جب آپ کے کمسن بیٹے انگریزوں کے کیمپ میں لائے گئے تھے میں وہاں موجود تھا۔ اور مجھے پہلی بار اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ہندوستان کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے میرا بھی ان کے ساتھ کوئی رشتہ ہے۔ اس وقت انگریزوں کی مسکراہٹیں میرے لیے بے حد تکلیف دہ تھیں۔ سلطان نے کہا آپ کو میرے بیٹوں کے متعلق پریشان ہونے کی بجائے میسور کے ان

ہزاروں بیٹوں کے متعلق سوچنا چاہیئے تھا جو وطن کی آزادی کے لیے اپنا خون پیش کر چکے ہیں۔آپ کو بنگال کے نواب سراج الدولہ۔بنارس کے چیت سنگھ، روہیل کھنڈ کے حافظ رحمت خان اور اودھ کی ان بیگمات کے متعلق سوچنا چاہیئے تھا جنہوں نے انگریزوں کی بدعہدی اور مکاری کے اس سے زیادہ جان گداز مناظر دیکھے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہری پنت کے ساتھ سلطان کی ملاقات ختم ہوئی اور ہری پنت نے خیمے سے نکل کر سلطان کو رخصت کیا۔سلطان کے جاتے ہی مرہٹہ فوج کے بڑے بڑے سردار ہری پنت کے اردگرد جمع ہو گئے اور اس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے، ایک برہمن نے کہا۔مہاراج دیکھ لیا میسور کا بادشاہ خود آپ کے پاس آیا تھا، اگر آپ چند دن اور لڑائی جاری رکھتے تو وہ پیدل چل کر آپ کے پاس آتا، ہری پنت نے برہم ہو کر کہا تم بیوقوف ہو، ہم سلطان ٹیپو کو شکست دے سکتے ہیں، اس کی سلطنت پر قبضہ کر سکتے ہیں، لیکن اس کی عظمت کو نہیں چھین سکتے۔جنگ ختم ہوئے پانچ مہینے ہو چکے تھے، سلطان صلح کے معاہدے کے فوراً بعد تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر چکا تھا۔لیکن پرس رام بھاؤ جس نے سرنگا پٹم سے واپسی پر اپنے راستے کی کئی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا، ابھی تک میسور کے ان قیدیوں کو واپس کرنے میں لیت ولعل سے کام لے رہا تھا جو سرنگا پٹم کے محاصرے سے قبل نرگند بھیجے جا چکے تھے، ہری پنت نے پونا پہنچ کر متعدد بار پرس رام بھاؤ کی سینہ زوری کے خلاف احتجاج کیا، لیکن اس کو نانا فرنویس کی تائید حاصل تھی اور پیشوا کے دربار میں ہری پنت کی چیخ و پکار بے نتیجہ ثابت ہوئی، لیکن ماہ اگست کے آخر میں سندھیا، جو پیشوا کے بعد مرہٹوں پر سب سے زیادہ اثر و رسوخ کا مالک تھا۔پونا پہنچا۔اور اس کی کوششوں سے پونا کی حکومت کے طرز عمل میں نمایاں تبدیلی رونما ہونے لگی۔جنگ

کے بعد فرحت پر اپنے بیٹے کی جدائی کے اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ مسلسل بے خوابی اور بے چینی کے باعث اس کی صحت آئے دن بگڑتی جا رہی تھی۔ پھر جب چند دن بعد شہر میں یہ افواہ پھیل گئی کہ پرس رام نے جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا ہے۔ تو فرحت کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی، ایک دن وہ شدید بخار کی حالت میں پڑی ہوئی تھی اور منیرہ اور مراد علی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے منور خان کمرے میں داخل ہو ااور اس نے منیرہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ بی بی جی ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ کون ہے وہ، منیرہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ بی بی جی وہ آپ کے ملک کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میں نے اسے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، ایک فرانسیسی افسر اس کے ساتھ آیا تھا، اور اسے دیوان خانے میں بٹھا کر واپس چلا گیا ہے۔ وہ کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ فرنسیسی افسر نے جاتے وقت اسے بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے منیرہ نے پریشانی اور تذبذب کی حالت میں مراد علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، میں دیکھتا ہوں اور مراد علی یہ کہتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا، تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور منیرہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ بہن اس کا نام جولین ہے۔ منیرہ نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ بیٹی تم ڈر کیوں گئی، جولین کون ہے۔ فرحت نے نحیف آواز میں پوچھا، امی جان وہ لیگر انڈ کا بھنوئی ہے، فرحت نے مراد علی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ بیٹا جاؤ اور اسے اندر لے آؤ۔ اور نچلی منزل کے کمرے میں بٹھا دو نہیں امی جان میں وہیں جاتی ہوں، بھائی جان آپ امی جان کے پاس رہیں، منیرہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دیوان خانے کے ایک کمرے میں جولین کے سامنے کھڑی تھی۔ اور جولین شکایت کے لہجے میں کہہ رہا تھا کہ جین مجھے سرنگا پٹم پہنچنے سے پہلے لیگر انڈ کی

موت کے متعلق کوئی علم نہ تھا، کاش تم نے ہمیں اطلاع دی ہوتی۔منیرہ بہت مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی۔جولین نے اسے بازووں سے پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔اور کہا، اب تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں، تم جلد از جلد سفر کی تیاری کرو۔نہیں جولین میں ابھی سرنگاپٹم نہیں چھوڑ سکتی۔جولین بد دل سا ہو کر اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا، اور کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہنے لگا، میں یہاں پہنچتے ہی جن فرانسیسی افسروں سے ملا ہوں، انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ لوگ بہت رحم دل ہیں اور تمہارے ساتھ ان کا سلوک بھی بہت اچھا ہے، لیکن تم ان کے ساتھ ساری زندگی جلاوطنی کی زندگی نہیں بسر کر سکتیں، میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر اب تک پیرس کے المناک حادثات کی یاد تازہ ہے، لیکن اب فرانس کے حالات بدل چکے ہیں، وہ بھیانک رات جس کی تاریکیوں سے تم پناہ لینے کے لیے نکلی تھیں اب گزر چکی ہے اب تمہیں اپنے وطن میں ایک نئی روشنی دکھائی دے گی، منیرہ نے کہا۔میرے لیے موجودہ حالات میں کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں، مجھے سوچنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے، جولین نے کہا میں نے یہ نہیں کہا کہ ہم آج ہی واپس جا رہے ہیں، میری چھٹی کے ابھی تین مہینے باقی ہیں، اور میں چند ہفتے یہاں گزار سکتا ہوں، تمہیں سوچنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔منیرہ نے کہا اس گھر کی معزز خاتون مجھے اپنی بیٹی سمجھتی ہے، وہ ان دنوں سخت بیمار ہے، اور اس کا ایک بیٹا ابھی تک مرہٹوں کی قید میں ہے۔ ان حالات میں میں اگر فرانس جانے کا ارادہ کروں تو بھی میرے لیے سرنگاپٹم کو چھوڑنا بہت مشکل ہوگا، ممکن ہے کہ چند دن تک حالات بدل جائیں، ان کی صحت ٹھیک ہو جائے۔اور ان کا بیٹا گھر واپس آجائے، اور پھر میں یہاں رہنے کے متعلق اپنا ارادہ بھی بدل دوں۔لیکن جب تک مجھے یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ یہاں اب میری

ضرورت باقی نہیں رہی، میں اپنے وطن جانا پسند نہیں کروں گی، میں ان لوگوں کے احسانات نہیں بھول سکتی۔ انھوں نے ہمیں اس وقت سہارا دیا تھا جب خدا کی سر زمین ہمارے لیے تنگ ہو چکی تھی، میں نے اس گھر میں اس وقت قدم رکھا تھا جب اس کا ہر گوشہ مسرت کے قہقہوں سے آباد تھا اور اس کے در و دیوار پر تاریک سائے دیکھ کر میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ جولین کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے منیرہ کے چہرے پر نظریں گاڑھتے ہوئے کہا، میں ان لوگون کے متعلق کیپٹن فرانسسک سے بہت کچھ سن چکا تھا اور یہاں پہنچتے ہی میں اپنے جن ہم وطنوں سے ملا ہوں، انھوں نے بھی میری معلومات میں کافی اضافہ کیا ہے، جین سچ بتاؤ کیا تمہارے یہاں ٹھہرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ تم اپنے دل پر ان لوگوں کے احسانات کا بوجھ محسوس کرتی ہو، کیا یہ وجہ کافی نہیں، نہیں میں مانتا ہوں کہ یہ لوگ بہت اچھے ہیں اور انہوں نے تم پر بہت احسان کیے ہوں گے، لیکن تمارے ساری عمر یہاں ٹھہرنے کی وجہ یہ کافی نہیں۔ جین برا نہ ماننا۔ فرنسیسی کیمپ سے میں اس نوجوان کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں، جو ان دنون مرہٹون کی قید میں ہے۔ ایک ثانیہ کے لیے منیرہ کی آنکھون کے سامنے انور علی کی تصویر آ گئی۔ اس نے ایک جھرجھری لی اور کہنے لگی کہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کچھ نہیں جین میں صرف یہ دعا کرتا ہوں کہ تم نے اس سے کوئی غلط توقع نہ وابستہ کی ہو، ایک فرانسیسی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید تم ---------- جولین نے اپنا فقرہ پورا کرنے کی بجائے منیرہ کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں، منیرہ جلدی سے اٹھی لیکن دروازے کی طرف چند قدم اٹھانے کے بعد رک گئی۔ جولین نے کہا جین جین ٹھہرو میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تم اس سے محبت کرتی ہو، تم اس نوجوان

سے محبت کرتی ہو، جس کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے، منیرہ چند ثانیے دم بخود کھڑی رہی، اس کی نگاہوں کے سامنے اچانک ایک ایسی حقیقت کے چہرے کا نقاب اٹھ چکا تھا، جو بیک وقت دلکش بھی تھی اور بھیانک بھی، اور ایک ایسے طوفان کے بند ٹوٹ چکے تھے جسے وہ ایک مدت سے اپنے سینے کی گہرائیوں میں دبائے ہوئے تھی، اس نے مڑکر جولین کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا، ہاں جولین میں اس سے محبت کرتی ہوں، لیکن میں نے اس سے کوئی توقع وابستہ نہیں کی، جولین نے قدرے نرم ہو کر کہا، نادان لڑکی بیٹھ جاؤ، تم اپنے سوا اور کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ منیرہ نڈھال سی ہو کر بیٹھ گئی۔ اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر ایک بچے کی طرح سسکیاں لینے لگی۔ جولین نے کہا مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے متعلق تمہارے احساسات سے بے خبر نہیں ہوگا، منیرہ نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں روکتے ہوئے جواب دیا، اسے میرے متعلق کچھ معلوم نہیں، اور میں کبھی یہ گوارا نہیں کروں گی کہ اسے میرے احساسات کا علم ہو، اور اس کے باوجود تم یہاں رہنا چاہتی ہو، ہاں، منیرہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا، فرض کرو کہ وہ اگر میری موجودگی میں یہاں پہنچ جائے اور پھر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی دنیا میں تمہارے لیے کوئی اور جگہ نہیں، تو تم اس صورت میں بھی میرے ساتھ جانا پسند نہیں کرو گی؟ مجھے معلوم نہیں۔ فرانسسک نے مجھے بتایا تھا کہ اس سے تمہاری ملاقات پانڈی چری میں ہوئی تھی، ہاں، اور پھر تم نے وہاں سے اس کے ساتھ سرنگا پٹم تک کا سفر کیا تھا۔ منیرہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجئے، اس کے ساتھ سفر کے دوران میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ کسی دن میری توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تمہیں اپنے احساسات کا صحیح علم نہ ہو اور یہ تلخ حقیقت تم نے

لیگرانڈ کی بیوی بننے کے بعد محسوس کی ہو۔ کہ تمہاری زندگی میں کوئی خلا باقی رہ گیا ہے، منیرہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ آپ جی بھر کر مجھے کوس سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دوں گی کہ مجھے اپنے شوہر سے محبت نہیں تھی، جولین نے کہا، جین میرا مقصد تمہاری توہین کرنا نہیں تھا، میری نگاہوں میں تم ایک فرشتہ ہو، لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ محبت میں اور رحم میں بہت فرق ہے۔ تمہیں ایک سے محبت تھی اور دوسرے پر رحم آتا تھا، پھر تمہارا رحم تمہاری محبت پر غالب آ گیا، اور تم نے لیگرانڈ سے شادی کر لی۔ منیرہ نے کہا یہ بات شاید آپ کی سمجھ میں نہ آ سکے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ میں ایک بے وفا بیوی نہیں تھی، تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں جین، میں جانتا ہون کہ تمہارے جیسی رحم دل لڑکی بے وفا نہیں ہو سکتی۔ اور یہ تمام باتیں میں نے تمہارا دل دکھانے کے لیے نہیں کیں، میرے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ یہاں رہنے کے متعلق تمہارے اصرار کی اصل وجہ کیا ہے اور اب میں مطمئن ہوں، اب اگر تم چاہو بھی تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا، لیگرانڈ کی روح کے لیے بھی اس سے بڑا اطمینان اور کیا ہو سکتا ہے، کہ اس کے بعد تم اس دنیا میں تنہا نہیں ہو، ایک افسر نے میرے ساتھ گفتگو کے دوران یہ امید ظاہر کی تھی کہ اب مرہٹے جنگی قیدیوں کو رہا کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے، خدا کرے کہ وہ میری موجودگی میں یہاں پہنچ جائے، اور میں تمہاری تمام الجھنیں دور کر سکوں۔ ورنہ میں اپنے حصے کا کام کسی اور کے سپرد کر جاؤں گا، اب مجھے اجازت دو۔ آپ کہاں جا رہے ہیں، میں فرانسیسی کیمپ میں قیام کروں گا، آپ یہاں کیوں نہیں ٹھہرتے، نہیں میرا وہاں ٹھہرنا مناسب ہے، وہان مجھے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے کی آزادی ہو گی، ایک فرانسیسی میرا بچپن کا دوست نکل آیا ہے اور اس نے میرے لیے میسور میں

شکار کا بندبست کرنے کا وعدہ کیا ہے، لیکن میں اپنے قیام کے دوران میں برابر تم سے ملتا رہوں گا، منیرہ نے کہا میں نے ابھی تک آپ کی بیوی کے متعلق آپ سے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ کیسی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے اور اب دو بچیوں کی ماں بن چکی ہے، آپ اب تک مرشیس میں ہیں، ہاں لیکن میرا خیال ہے کہ میری رخصت ختم ہونے پر مجھے فرانس بلا لیا جائے گا۔ آپ کا عہدہ کیا ہے، میں کرنل بن چکا ہوں، جولین یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا، لیکن منیرہ نے کہا، ٹھہریئے میں مراد علی کو بھیجتی ہوں، وہ آپ کو کیمپ تک پہنچا آئے گا، نہیں نہیں اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں مجھے راستہ معلوم ہے، منیرہ جولین کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی۔ اور ڈیوڑھی کے دروازے کے قریب اسے رخصت کرنے کے بعد رہائشی مکان کی طرف چل پڑی

☆

تھوڑی دیر کے بعد وہ فرحت کے کمرے میں داخل ہوئی۔ فرحت نے اس کے پاؤں کی آہٹیں سن کر آنکھیں کھولیں۔ اور نیرہ کچھ کہے بغیر اسکے بستر کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی، فرحت نے کہا کیا بات ہے بیٹی تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو، لیگرانڈ کا بہنوئی کوئی بری خبر لے کر تو نہیں آیا، منیرہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، نہیں امی جان وہ کوئی بری خبر لے کر نہیں آیا، فرحت مراد علی کی طرف متوجہ ہوئی، بیٹا تم جا کر مہمان کے پاس بیٹھو، منیرہ نے کہا امی جان وہ چلا گیا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں فرانسیسی کیمپ میں رہوں گا، وہاں پر اس کا کوئی دوست ہے، بیٹی وہ تمہارا مہمان تھا اور تمہیں اسے یہاں ٹھہرانا چاہیئے تھا، امی جان وہ اپنے کسی دوست کے پاس ٹھہرنے کا وعدہ کر چکا تھا اور میں نے آپ کی علالت کے پیش نظر یہاں ٹھہرنے پر اصرار نہیں کیا، فرحت نے مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا، بیٹا تم جا کر اپنے بھائی کا

پتہ کرو شاید فوج کے دفتر میں کوئی اطلاع آئی ہو، بہت اچھا امی جان۔ مراد علی یہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ فرحت قدرے توقف کے بعد منیرہ سے مخاطب ہوئی۔ بیٹی سچ کہو، لیگرانڈ کا بہنوئی تمہاری کسی بات سے خفا ہو کر تو نہیں چلا گیا؟ نہیں امی جان اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یہاں قیام کے دوران میں میرے پاس آتا رہے گا۔ فرحت نے کہا بیٹی مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہے گا، امی جان میں اس کے ساتھ جانے سے انکار کر چکی ہوں۔ ایک ثانیے کے لیے فرحت کے نحیف اور لاغر چہرے پر تازگی آ گئی۔ اور اس نے کہا کہ بیٹی ابھی تھوڑی دیر پہلے جب تم نیچے گئی تھیں تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ میرے دل میں کتنی باتیں ہیں جو ابھی تک میں نے تم سے نہیں کیں، میرا ایک بیٹا مسعود علی اننت پور کے قلعے کی حفاظت کرتا ہوا شہید ہو گیا تھا اور اس کا بڑا بھائی صدیق علی ان جنگی قیدیوں کے ساتھ تھا جنہیں انگریزوں نے اس قلعے کی فصیل کے ساتھ کھڑا کر کے گولیوں کا نشانہ بنایا تھا، صدیق علی کی شہادت کا انتہائی دردناک پہلو یہ تھا کہ ایک جوان اور حسین لڑکی اسے بچانے کے لیے انگریز سپاہیوں کی بندوقوں کے سامنے آ گئی تھی اور اس نے گولی کھانے کے بعد میرے بیٹے کی لاش سے لپٹ کر جان دے دی تھی۔ ان کی لاشیں اننت پور کے قلعے کے پاس ایک ہی گڑھے میں دفن ہیں، مجھے انتہائی جستجو کے باوجود ان سوالات کا تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ کہ وہ لڑکی کون تھی کہاں سے آئی تھی اور وہ ایک دوسرے کو کب سے جانتے تھے؟ اس کی خیالی تصویریں میری نگاہوں کے سامنے رہا کرتی تھیں۔ میرے دل میں اس کے لیے وہی محبت تھی، جو ایک ماں کے دل میں اپنی بیٹی کے لیے ہو سکتی ہے، میں تصور میں اس کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ اس کے بال سنوارا کرتی تھی۔ پھر جب تم ہمارے گھر آئیں۔ تو میں یہ محسوس کرتی

تھی کہ قدرت نے میری بے بسی پر رحم کھا کر مجھے ایک جیتی جاگتی بیٹی عطا کر دی ہے، اور میں اس لڑکی کے حصے کی تمام شفقت اور محبت تمہیں دینا چاہتی تھی۔ فرحت یہاں تک کہہ کر رک گئی اور کچھ دیر تک منیرہ کی طرف دیکھنے کے بعد بولی، مجھے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے، اور شاید قدرت مجھے اپنی زندگی کا اہم فریضہ پورا کرنے کی اجازت نہ دے، مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انور علی کے متعلق تمہارے خیالات کیا ہیں۔ لیکن میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں، کہ اگر میں مر جاؤں تو تم اس کا انتظار کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤ گی، میرے بعد اس گھر کو تمہاری ضرورت رہے گی، منیرہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا، امی جان اگر اس گھر میں میری ضرورت نہ بھی ہو تو بھی میں خوشی کے ساتھ اسے چھوڑنا پسند نہیں کروں گی، بیٹی میں یہ چاہتی ہوں کہ تم انور علی کے ساتھ شادی کر لو، منیرہ نے کچھ کہنے کی بجائے اپنا سر جھکا لیا، فرحت بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ منیرہ یہاں آؤ، منیرہ آگے بڑھی اور فرحت نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا، وہ دیر تک اس کے سنہری بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہی، منیرہ بڑی مشکلوں سے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، خادمہ نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔ بی بی جی آپ کے لیے دودھ لے آؤں، نہیں ابھی مجھے بھوک نہیں، تم قلم دوات اور کاغذ لے آؤ، میں کچھ لکھنا چاہتی ہوں، خادمہ واپس چلی گئی اور کچھ دیر بعد اس نے لکھنے کا سامان لا کر فرحت کے قریب ایک تپائی پر رکھ دیا۔ آپ کیا لکھنا چاہتی ہیں امی جان منیرہ نے پوچھا، میں ایک ضروری خط لکھنا چاہتی ہوں، آپ کو تکلیف ہو گی، مجھے لکھوا دیجیے یا تھوڑی دیر مراد علی کا انتظار کر لیجیے۔ نہیں میں خود لکھوں گی، منیرہ اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی

اور فرحت خط لکھنے میں مصروف ہوگئی، اس نے چند سطور لکھنے کے بعد ایک کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا اور دوسرے کاغذ پر لکھنے میں مصروف ہوگئی تقریبا ایک گھنٹے کے بعد اس نے لکھا ہوا کاغذ تہہ کیا اور منیرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، بیٹی اگر انور علی میرے بعد گھر آئے تو اسے یہ خط دے دینا، منیرہ نے کہا خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجئے، مجھے یقین ہے کہ جب وہ آئیں گے تو آپ ان کے استقبال کے لے نیچے کھڑی ہوں گی، فرحت نے بستر پر لیٹتے ہوئے جواب دیا، بیٹی میری عمر کے انسان کو ہروقت اس دنیا دے کوچ کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

☆

اگلے دن فرحت کی حالت زیادہ تشویشناک ہوگئی۔ اور وہ دو چار روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہی، پانچویں روز آدھی رات کے وقت مراد علی اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اور خادمہ جس نے کئی دن بے آرامی کی حالت یں گزارے تھے، فرحت کے بستر کی دوسر طرف قالین پر پڑی گہری نیند سو رہی تھی، فرحت نے مراد علی کی طرف دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں کہا، بیٹا جاؤ تم آرام کرو، میری فکر نہ کرو میں اب بالکل ٹھیک ہوں، مراد علی نے جواب دیا امی جان میں نے دن کے وقت کافی سو لیا تھا نہیں بیٹا جاؤ تمہاری آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی ہیں،، منیرہ آنکھیں ملتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی، اور اس نے کہا، بھائی جان آپ جا کر آرام کریں میں امی جان کے پاس بیٹھتی ہوں مراد علی نے کہا بہن آپ کو چند گھنٹے آرام کرنا چاہیئے تھا۔ میری نیند پوری ہو چکی ہے۔ منیرہ نے مراد علی کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ فرحت نے کہا جاؤ بیٹا اب آرام کرو، میری فکر نہ کرو۔ مراد علی ماں کے پاس بیٹھنے پر بضد تھا، لیکن فرحت اور منیرہ کے اصرار پر وہ اٹھا اور با دل نخواستہ دروازے کی

طرف بڑھا۔ دو تین قدم اٹھانے کے بعد اس نے منیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، بہن ایک گھنٹے کے بعد آپ امی جان کو دوائی کھلا دیں۔ اور اگر ضرورت پڑے تو مجھے آواز دے دیجیئے گا، بیٹا تم جا کر آرام سے سوؤ۔ اگر ضرورت پڑی تو میں خود بلا لوں گی۔ بہت اچھا امی جان مراد یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا، پچھلے پہر مراد علی اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا، خادمہ چیختی چلاتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ مراد علی نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں، اور ایک ثانیے کے لیے سکتے کی حالت میں خادمہ کی طرف دیکھتا رہا۔ مراد مراد خادمہ نے بڑی مشکل سے اپنی چیخیں روکتے ہوئے کہا بی جی فوت ہوگئی ہیں۔ مراد علی بستر سے اٹھا اور بھاگتا ہوا برابر کے کمرے میں داخل ہوا، فرحت کے پرسکون چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہی ہے، منیرہ کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امی جان امی جان۔ مراد علی فرحت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کرب ناک آواز میں چلایا، پھر اس نے منیرہ کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ کر ہلایا، منیرہ نے ایک کپکپی لی اور اپنی نگاہیں مرد علی کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ آن کی آن میں اس کی خوبصورت نیلی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں، اس نے مڑ کر فرحت کی طرف دیکھا اور سسکیاں لیتی ہوئی اس کی لاش سے لپٹ گئی۔ مراد علی کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا، اور پھر خادمہ کی طرف جواب بے حس و حرکت کھڑی تھی، متوجہ ہوا، کاش تم نے مجھے پہلے جگا دیا ہوتا۔ خادمہ نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا، جی میں سو رہی تھی، جب منیرہ کی چیخ سن کر میں بیدار ہوئی تو بی بی جی کا دم نکل چکا تھا۔ منیرہ نے گردن اٹھا کر دوبارہ مراد علی کی طرف دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ بھائی جان آخری وقت تک انہوں نے مجھے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا، کہ ان کا وقت قر

یب آ چکا ہے، میں یہ سمجھتی رہی کہ ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے،، انہوں نے میرے ساتھ باتیں کرتے کرتے اچانک آنکھیں بند کرلیں، اور مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ انہیں نیند آ گئی ہے۔



فرحت کی وفات سے تین ہفتے کے بعد ایک دن منیرہ پڑوس کی چند عورتوں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا بی بی جی آپ کو مراد علی صاحب بلاتے ہیں، کہاں ہیں وہ منیرہ نے اٹھ کر سوال کیا،، جی وہ برآمدے میں کھڑے ہیں منیرہ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی برآمدے کی طرف مڑی، مراد سپاہیانہ لباس پہنے ہوئے تھا منیرہ نے سوال کیا،، آپ اتنی جلدی کیسے واپس آگئے، کہیئے ان کے متعلق کچھ پتا چلا، مراد علی نے جواب دیا، فوجدار نے اس خبر کی تصدیق کی ہے کہ مرہٹوں نے نرگند اور دوسرے تمام مقامات سے قیدی رہا کردئے ہیں، آج صبح فوج کے چند افسر راستے میں ان کا استقبال کرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، میں نے بھی ساتھ جانے کی اجازت مانگی تھی لیکن مجھے ایک اور ذمہ داری سونپ دی گئی ہے، کیسی ذمہ داری، سلطان معظم تاوان کی دوسری قسط سے انگریزوں کے حصے کا روپیہ دے کر ہمیں مدارس بھیج رہے ہیں، آپ کب جارہے ہیں منیرہ نے سوال کیا، ہمیں ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے کوچ کا حکم مل چکا ہے، میں آپ کے متعلق بہت پریشان ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ میری واپسی تک بھائی جان یہاں پہنچ جائیں گے، میں مدارس جانے پر خوش نہ تھا لیکن جب مجھے علم ہوا کہ سلطان معظم نے اس ذمہ داری کے لیے فوج کے بڑے بڑے افسروں کے مقابلے میں میرا نام پسند فرمایا ہے تو مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ میں نے جولین کا پتہ کیا

ہے وہ ابھی تک شکار سے واپس نہیں آیا، شاید دو تین دن تک یہاں پہنچ جائے۔ منیرہ نے کہا، آپ کو یقین ہے کہ انور علی رہا ہونے والے قیدیوں کے ساتھ یہاں آئیں گے۔ مراد علی نے جواب دیا ابھی تک رہا ہونے والے قیدیوں کی فہرست یہاں نہیں پہنچی۔ لیکن یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ مرہٹوں نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا، اور بھائی جان ان کے ساتھ ہیں۔ سر دست ہمارے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔ اب مجھے اجازت دیجیے آپ اگر تنہائی محسوس کریں تو پڑوس کی کسی عورت کو اپنے پاس بلا لیں، خدا حافظ۔ منیرہ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں خدا حافظ کہا۔ اور مراد علی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا، اگلے روز دوپہر کے وقت آسمان پر بادل چھا رہے تھے جب منور خان منیرہ کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا کہ موسیو جولین آپ سے ملنا چاہتا ہے، انھیں یہاں لے آؤ، منور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا، اور چند منٹ کے بعد جولین کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے منیرہ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، جینن میں آج ہی واپس آیا ہوں، اور یہاں پہنچتے ہی مجھے مراد علی کی ماں کی موت کی خبر ملی ہے، مجھے افسوس ہے، اس دنیا میں ایسے بہت کم لوگ ملتے ہیں۔ جو دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں، کیمپ میں یہ خبر مشہور ہے کہ مرہٹوں نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا ہے، لیکن انور علی کے متعلق مجھے کوئی تسلی بخش معلومات حاصل نہیں ہو سکیں، جینن میں پورے خلوص کے ساتھ یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ واپس آ جائے۔ لیکن موجودہ حالات میں تمھیں اچھی یا بری ہر طرح کی خبر کے لیے تیار رہنا چاہیے، میں مرہٹوں کی وحشت اور بربریت کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں، فرض کرو اگر انور علی کے متعلق کوئی اچھی خبر نہ آئی تو سرنگا پٹم میں تمہارا مستقبل کیا ہوگا منیرہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا، خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجیے، جولین نے شفقت آمیز لہجے میں

کہا، میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، جین میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم حقیقت پسندی کا ثبوت دو، انور علی کے بغیر یہ ملک تمہارے لیے سپنوں کی جنت نہیں ہوگا، میں تمہارے ساتھ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا، جب تک مجھے اس کے متعلق پوری طرح تسلی نہیں ہو جاتی، رہا ہونے والے قیدی چند دن تک یہاں پہنچ جائیں گے، اور اگر ضرورت پڑی تو میں مزید رخصت کے لیے درخواست بھیج دوں گا۔لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ان حالات میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں، منیرہ نے کہا، جولین میں ناشکرگزار نہیں ہوں،، میں جانتی ہوں کہ تم میری بہتری کے لیے یہ باتیں کہہ رہے ہولیکن میں بے بس ہوں، اس گھر کے درو دیوار میری زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہیں، اب میں جیتے جی سرنگا پٹم نہیں چھوڑ سکتی، جب آپ نے پہلی بار اس موضوع پر گفتگو کی تھی تو میں نے یہ سوچا تھا کہ اس وقت انور علی کی والدہ زندہ ہیں اور اگر انور علی نے واپس آکر مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اس کی دنیا میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے تو شاید میرا غرور مجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دے لیکن اب انور علی کی والدہ فوت ہو چکی ہیں اور میرے دل میں غرور کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی، تمہیں اس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ اس گھر میں تمہار امقام کیا ہے، منیرہ نے جواب دیا ہاں اب مجھے ایک خادمہ کی حیثیت سے بھی یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا، اور اگر انور علی واپس نہ آیا تو میں یہ سمجھوں گی کہ ماں کی موت کے بعد مراد علی کو ایک بہن کی ضرورت ہے، جولین کرسی سے اٹھ کر تھوری دیر کمرے میں ٹہلتا رہا، اور پھر اچانک منیرہ کے قریب رک کر بولا۔جین مجھے معلوم نہ تھا کہ میسور کی آب وہوا نے ایک فرنسیسی لڑکی کے دل و دماغ میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے، اب آئندہ میں تمہارے ساتھ اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا،

لیکن میں تم سے صرف یہ ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اگر یہاں کے حالات کسی دن تمہیں اپنے خیالات بدلنے پر مجبور کر دیں تو تم مرد علی کی طرح مجھے بھی اپنا بھائی سمجھو گی۔ منیرہ نے اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا، میں آپ کو اس وقت بھی اپنا بھائی سمجھتی ہوں تو پھر میرے ساتھ یہ وعدہ کرو کہ اگر کسی دن تمہیں اپنے وطن کی یاد ستانے لگے تو تم مجھے ضرور اطلاع دو گی، میں تمہارا خط ملتے ہی یہاں پہنچ جاؤں گا، میں وعدہ کرتی ہوں اور میں یہ چاہتی ہوں کہ جب تک آپ یہاں ہیں، کسی اور کے پاس ٹھہرنے کی بجائے یہاں ہمارے پاس ٹھہریں، اس مکان کی نچلی منزل کے تمام کمرے آپ کے لے خالی کر دیئے جائیں گے، جولین نے جواب دیا، نہیں مجھے شکار پر روانہ ہونے سے پہلے ہی یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ واپسی پر مجھے شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرایا جائے گا، آپ کے پاس آتے وقت میں نے اپنا سارا سامان سرکاری مہمان خانے میں بھجوا دیا تھا، لیکن میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر انور علی چند دن تک یہاں پہنچ گیا تو میں آپ کے پاس آ جاؤں گا،

اکیسواں باب

رات کے وقت فضا میں کچھ حبس باقی تھا اور منیرہ بالائی منزل کی چھت پر ایک برساتی کے نیچے سو رہی تھی۔ آدھی رات کے قریب موسلا دھار بارش شروع ہوئی اور ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ بارش کے چھینٹوں نے اسے گہری نیند سے بیدار کر دیا، وہ بستر سے اٹھی اور برساتی سے نکل کر زینے کی طرف بڑھی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے وہ مکان کی دوسری منزل میں داخل ہوئی اور ہاتھوں سے اپنا راستہ ٹٹولتی ہوئی ایک کمرے کے دوازے کی طرف بڑھی، اچانک اسے نچلی منزل کے ایک کمرے سے کوئی آواز سنائی دی۔ اور وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی، چند ثانیے بعد وہ بے چینی اور اضطراب کی حالت میں زینے کے راستے نچلی منزل کا رخ کر رہی تھی۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر اسے چند قدم دور ایک کمرے کے کھلے دروازے سے روشنی دکھائی دی اور وہ کچھ دیر آگے بڑھنے یا مڑنے کا فیصلہ نہ کر سکی، پھر اسے کریم خان کی آواز سنائی دی، منور تم جا کر خادمہ کو جگاؤ، اور اسے کہو کہ فوراً کھانا تیار کرے، ۔۔۔۔۔۔۔کسی نے مانوس اور دلکش آواز میں جواب دیا، نہیں نہیں خادمہ کو جگانے کی ضرورت نہیں، میں راستے میں کھانا کھا چکا ہوں، اور منیرہ کی کائنات زندگی کے دلکش نغموں سے لبریز ہو گئی وہ بولنا چاہتی تھی لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ وہ بھاگ کر کمرے میں داخل ہونا چاہتی تھی لیکن اس کے پاؤں میں سکت نہ تھی۔ برآمدے کی تاریکی اور کمرے کی روشنی کے درمیان چند قدم کا فاصلہ اسے ایک پہاڑ نظر آتا تھا کمرے سے منور علی خان کی آواز سنائی دی، جناب چھوٹی بی بی جی اوپر برساتی کے نیچے سو رہی ہیں انھیں جگا دوں، نہیں نہیں لیکن اس وقت بے آرام کرنے کی ضروت نہیں تم جاؤ، منیرہ کا دل مسرت کی دھڑکنوں کی

بجائے شکایات سے لبریز ہو گیا، منور اور کریم خان کمرے سے باہر نکلے اور وہ دیوار کے ساتھ سمٹ کر کھڑی ہو گئی، جب وہ صحن میں روپوش ہو گئے تو وہ جھجک جھجک کر قدم اٹھاتی ہوئی کمرے کی طرف روانہ ہوئی ہر لحظہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی، اس نے جھانک کر اندر دیکھا، وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھنے کی بجائے ایک طرف ہٹ گئی اور اس نے دروازے پر دستک دے دی۔ کون ہے انور علی نے کہا، میں اندر آسکتی ہوں، منیرہ نے دہلیز پر پاؤں رکھ کر اندر جھانکتے ہوئے کہا، جیئں، انور علی چونک کر بستر سے اٹھا، اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، منیرہ کمرے میں داخل ہوئی وہ چند ثانیے کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ بالآخر انور علی نے کرسی اٹھا کر اس کے قریب رکھ دی اور کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ جاگ رہی ہیں، تشریف رکھیے، منیرہ بیٹھ گئی، اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور اس کی نگاہیں انور علی کے چہرے پر مرکوز تھیں،، اس نے شکایت کے لہجے میں کہا، آپ کب یہاں پہنچے۔ مجھے یہاں پہنچے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے، ----------

---امی جان کے متعلق مجھے راستے میں اطلاع مل گئی تھی، آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ یہ مرہٹوں کی قید کا اثر ہے، یا آپ تھکے ہوئے ہیں بیٹھ جائیے۔ انور علی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ منیرہ نے کہا، مراد علی مدارس جا چکا ہے۔ ہاں مجھے نوکروں نے بتایا تھا، آپ کھانا نہیں کھائیں گے، نہیں میں کھانا راستے میں کھا چکا ہوں، کاش آپ چند ہفتے پہلے آجاتے، امی جان کو آخری وقت تک آپ کا انتظار تھا، یہ میرے بس کی بات نہ تھی۔ مرہٹوں کی قید سے رہا ہونے کے بعد میں نے راستے میں بہت کم آرام کیا ہے، میرے ساتھی ابھی کئی منازل دور ہیں،، راستے میں یہ خیال کہ امی جان میری راہ دیکھ رہی ہیں میرے لیے ایک بہت بڑا سہارا تھا، اور مجھے تھکاوٹ کا

احساس تک نہ تھا۔ لیکن کل جب ایک چوکی سے مجھے یہ اطلاع ملی، کہ امی جان فوت ہو چکی ہیں، تو میری ہمت جواب دے گئی۔ منیرہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ قیدیوں کی رہائی کی خبر سننے کے بعد میں دن رات آپ کا انتظار کیا کرتی تھی لیکن آج جب آپ کو یہاں آنا تھا تو میں شام ہوتے ہی سو گئی تھی۔ انور علی نے کہا جیلن نوکرون نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے بیماری کے دوران امی جان کی بہت خدمت کی ہے، میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ منور کہہ رہا تھا کہ آپ کا کوئی رشتہ دار یہاں آیا ہوا ہے، وہ کون ہے، وہ لیگر انڈ کا بہنوئی جولین ہے، تو پھر اسے یہاں ٹھہرنا چاہیئے تھا۔ گھر میں امی جان بیمار تھیں، اس لیے میں نے اسے یہاں ٹھہرنے پر مجبور نہ کیا، اب وہ شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ انور علی کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اور اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار تھے، منیرہ اچانک کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، اور اس نے کہا آپ کو آرام کی ضرورت ہے، ٹھہریئے میں آپ کو اوپر چھوڑ آتا ہوں، انور علی یہ کہہ کر اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر چراغ اٹھا لیا، وہ کمرے سے باہر نکلے، بر آمدے میں داخل ہوتے ہی ہوا کا ایک جھونکا آیا، لیکن انور علی نے جلدی سے چراغ کے آگے ہاتھ تان کر اسے بجھنے سے بچا لیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک دوسرے سے کوئی بات کیئے بغیر بالائی منزل کے ایک کمرے میں داخل ہوئے، انور علی نے اپنے دیئے کی روشنی سے کمرے کا چراغ روشن کر دیا، پھر وہ منیرہ کی طرف متوجہ ہوا، اب آپ آرام کریں، منیرہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی، انور علی کا طرز عمل اس کے لیے ایک معمہ تھا، وہ جنت جو اس نے انور علی کے ساتھ دوبارہ ملاقات کے تصور سے آباد کی تھی چند منٹ کے اندر ویران ہو چکی تھی، اس کی حالت اس انسان کی سی تھی جو ٹھنڈے اور

میٹھے پانی کے چشمے کے کنارے بیٹھ کر واپس آ گیا ہو۔ چند منٹ پہلے انور علی کے کمرے میں داخل ہوتے وقت جو ولولے اس کے سینے میں بیدار ہوئے تھے، وہ اب سرد ہو چکے تھے، وہ نوجوان جسے اس نے پہلی بار پانڈی چری کی بندرگاہ پر دیکھا تھا بدل چکا تھا، اس کی روکھی پھیکی اور رسمی گفتگو اسے اپنے ساتھ قدرت کا بدترین مذاق محسوس ہو رہی تھی، انور علی کمرے سے نکل گیا، اور وہ نڈھال سی ہو کر کمرے میں بیٹھ گئی، انتہائی کوشش کے باوجود وہ انور علی کے طرز عمل کا جواز معلوم نہ کر سکی، وہ اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ میں جانتی ہوں کہ تم نے مرہٹوں کی قید میں ان گنت اذیتوں کا سامنا کیا ہوگا، اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے لیے تمہاری ماں کی موت کا صدمہ نا قابل برداشت ہے۔ لیکن کاش تم اتنا سمجھ سکتے کہ میں ہر مصیبت میں تمہاری حصہ دار تھی، جب تم جنگ کے میدان میں تھے تو میں تمہارے لیے دعائیں کیا کرتی تھی۔ جب تم قید میں تھے تو میں تمہاری راہیں دیکھا کرتی تھی، اور تمہاری ماں کی موت کے بعد میں یہ محسوس کیا کرتی تھی کہ اس دنیا میں مجھ سے زیادہ بے بس اور بد نصیب کوئی نہیں، لیکن تم مجھ سے اتنا بھی نہ پوچھ سکے کہ تنہائی اور بے بسی کے یہ دن میں نے کس طرح سے گزارے ہیں۔



منیرہ بستر پر لیٹ گئی اور دیر تک بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلنے کے بعد سو گئی، چند گھنٹے کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو نماز کا وقت گزر چکا تھا، آسمان پر بادل چھٹ چکے تھے اور دریچے سے سورج کی شعاعیں کمرے سے باہر آ رہی تھیں، وہ بستر سے اٹھ کے کمرے سے باہر نکلی، اور ہاتھ منہ دھونے کے بعد واپس آ گئی، پھر اس نے صندوق کھول کر کپڑوں کا ایک جوڑا نکالا، لیکن لباس تبدیل کرنے کی بجا

ئے کمرے میں ٹہلنے لگی،، خادمہ نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا، بی بی جی مبارک ہو انور علی صاحب رات آگئے ہیں، آج آپ بہت دیر سوئی ہیں ناشتہ لے آؤں، انھوں نے ناشتہ کر لیا، جی ہاں، مجھے اس وقت بھوک نہیں، تم نیچے جاؤ اور میرے پرانے کپڑوں کا بکس اٹھا لاؤ، چمڑے کا بکس، ہاں انور علی صاحب کیا کر رہے ہیں، جی وہ تو ناشتہ کرتے ہی منور کے ساتھ اپنی امی کی قبر پر چلے گئے ہیں، بہت کمزور ہو گئے ہیں وہ۔ خادمہ یہ کہہ کر واپس چلی گئی اور چند منٹ کے بعد ایک چمڑے کا بکس لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد منیرہ ہندوستانی لباس کی بجائے فرانسیسی لباس پہنے دریچے کے سامنے کھڑی باہر جھانک رہی تھی۔ انور علی نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں، آیئے یہ آپ کا گھر ہے، انور علی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا کہ خادمہ کہتی ہے کہ آج آپ نے ناشتہ نہیں کیا، منیرہ اس سے اپنے لباس کی تبدیلی کے متعلق کچھ سننا چاہتی تھی، لیکن اسے مایوسی ہوئی اس نے جواب دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ انور علی نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا کہ جین بیٹھ جاؤ میں تمہارے ساتھ چند باتیں کرنا چاہتا ہوں، وہ جھجھکتی ہوئی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ انور علی کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا، بالآخر اس نے کہا کہ میں صبح جب امی جان کی قبر پر گیا تھا تو میں فاتحہ پڑھنے کے بعد سرکاری مہمان خانے چلا گیا تھا، آپ جولین سے مل کر آئے ہیں، ہاں اور وہ یہ کہتا ہے کہ میں ایک ہفتے تک یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، رات تم نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ تمہیں یہاں لینے آیا ہے، منیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا، انور علی نے کہا جین میرے لیے یہ کہنا آسان نہیں ہو گا لیکن اس زندگی میں ہمیں کئی تلخیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں، منیرہ نے کہا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ چلی جاؤں، انور علی نے

کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے، وہ اضطراب کی حالت میں کرسی سے اٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں ٹہلنے کے بعد دریچے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، منیرہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا، انور علی نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں اور منیرہ کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر کہا جین مجھے تمہارا مستقبل اپنی خواہشات سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ بولی موسیو میں یہاں رہ کر آپ کی پریشانیوں میں اضافہ نہیں کروں گی، مجھے صرف اس بات کا انتظار تھا کہ آپ یہاں آ کر مجھے اس بات کا حکم سنائیں، کہ اب اس گھر کے دروازے تمہارے لیے بند ہو چکے ہیں، انور علی نے مڑ کر دیکھا منیرہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے اپنے ہونٹ بھینچ کر اپنی سسکیاں ضبط کر رہی تھی، اس نے کہا کہ موسیو جولین کو یہ پیغام دیجیے کہ میں تیار ہوں، ایک ہفتہ انتظار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، جین یہ ایک مجبوری ہے، مجھے معلوم ہے منیرہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپاتے ہوئے کہا، جولین ابھی یہاں آئے گا اور میں کوشش کروں گا کہ وہ مراد علی کی واپسی تک یہاں ٹھہر جائے، نہیں نہیں منیرہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا، خدا کے لیے مجھے اس سے زیادہ سزا نہ دیجیے۔ سزا۔۔۔۔۔۔۔

تم کیا کہہ رہی ہو کاش تمہیں علم ہوتا کہ تمہارے ساتھ اس گھر کی رہی سہی راحتیں بھی رخصت ہو جائیں گی، وہ بولی کہ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس گھر کو میری اب ضرورت نہیں رہی، انور علی نے دوبارہ منہ پھیر لیا، اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ جین میں یہ باتیں تمہارے ساتھ میسور کی کسی بندرگاہ سے جہاز پر سوار کراتے ہوئے کہنا چاہتا تھا، لیکن اب میں اس وقت کا انتظار نہیں کر سکتا، تمہیں میرے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، میں نے تمہیں پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب میسور کے

آسمان کا آفتاب نصف النہار پر تھا، اور مجھے یہ اطمینان تھا کہ میں دو مصیبت زدہ انسانوں کو زندگی کی بے پناہ مسرتوں میں حصہ دار بنا سکتا ہوں، لیکن اب میرے سامنے بے پناہ تاریکیاں ہیں۔ میں میسور کے مستقبل سے مایوس نہیں لیکن وہ سہانی صبح جس کی روشنی میں میں تمہیں زندگی کی حسین منازل دکھا سکتا تھا، شاید بہت دور ہے، منیرہ نے گردن اوپر اٹھائی اور انور علی کی طرف پر امید نظروں سے دیکھنے لگی، انور علی نے کہا کہا ہمارے دشمن اس جنگ کے ساتھ ہی ایک نئی جنگ کا بیج بو چکے ہیں، اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ اگر کسی دن اس وحشت اور بربریت کا سیلاب، جس کے دلگداز مناظر میں اپنی آنکھوں دے دیکھ چکا ہوں، ہمارے گھروں تک پہنچ گیا تو تمہارا انجام کیا ہوگا، میں نے گذشتہ جنگ میں جیتے جاگتے انسانوں کی بستیوں کی جگہ راکھ کے ڈھیر دیکھے ہیں، میں نے اپنی قوم کے بیٹوں کی بے گوروکفن لاشیں دیکھی ہیں۔ میں تمہارے سامنے بیان نہیں کرسکتا کہ ان وحشی بھیڑیوں نے میری قوم کی بیٹیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد جب میں قیدیوں کی ایک بستی سے گزر رہا تھا تو مجھے گلیوں میں مردوں کی لاشیں دکھائی دے رہی تھیں اور مکانوں کے اندر مرہٹے سپاہیوں کے قہقہے اور بے بس عورتوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں، میں نڈھال ہونے کے بعد ایک بیل گاڑی پر لیٹا ہوا تھا اور میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ جین وہ دردناک چیخیں اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کوئی نیا طوفان آنے سے پہلے اپنے وطن چلی جاؤ، اس لیے نہیں کہ اس گھر کو تمہاری ضرورت نہیں بلکہ اس لیے کہ فرانس میں تمہارا گھر اس گھر سے زیادہ محفوظ ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اگر تم یہاں رہنا پسند کرتی ہو تو میں دوبارہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرونگا منیرہ نے کہا کہ

آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں آپ کو ناراض کر کے یہاں رہ سکتی ہوں، انور علی کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی، اس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔جین اگر تم یہ سننا چاہتی ہو کہ تمہارے متعلق میرے احساسات کیا ہیں تو سنو جب میں قید میں تھا اور مرہٹے مجھے ستانے کے لیے اس قسم کی خبریں سنایا کرتے تھے کہ اب ہم نے سرنگا پٹم کی مکمل ناکہ بندی کرلی ہے اور ہم چند دن کے اندر میسور کے دارالحکومت پر اپنے جھنڈے گاڑ دیں گے، تو میں یہ دعا کرتا تھا کہ کاش تم اپنے وطن فرانس واپس جا چکی ہو اور دوسرے دن یہ دعا مانگتا تھا کہ کاش میں ایک بار پھر تمہیں دیکھ سکوں، منیرہ کے چہرے سے حزن و ملال کے بادل چھٹ گئے، اور اس نے کہا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، جین تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں انسان نہیں ہوں، تمہاری محبت میری زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی۔ اور اس آزمائش کا دور اس وقت شروع ہوا جب میں نے پہلی بار تمہیں پانڈی چری کی بندرگاہ پر پہلی بار دیکھا تھا اور اس کا سب سے زیادہ صبر آزما اور تکلیف دہ مرحلہ وہ ہوگا جب میں تمہیں میسور کی بندرگاہ پر خدا حافظ کرونگا، منیرہ نے کہ آپ کو اب بھی یہ خیال ہے کہ ہماری زندگی میں ایسا مرحلہ آسکتا ہے، انور علی نے کہا کہ جین میری محبت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں تمیں اپنے آلام و مصائب میں حصہ دار بناؤں، لیکن اگر تم ایک ایسے آدمی کو اپنے لیے کوئی سہارا سمجھ سکتی ہو جس کے راستے میں قدم قدم پر مصائب کے پہاڑ کھڑے ہیں تو مجھے ناشکر گزار نہیں پاؤ گی، خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا کہ بی بی جی جولین صاحب تشریف لائے ہیں، منیرہ نے انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو اسے یہیں بلا لیا جائے، مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے وہ آپ کا رشتہ دار ہے منیرہ نے خادمہ سے کہا کہ جاؤ اور انھیں

یہیں لے آؤ، خادمہ چلی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد جولین کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا کہ جین میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں، اس نے جواب دیا کہ موسیو میرا نام جین نہیں منیرہ ہے، میرا وطن فرانس نہیں میسور ہے، اور میں پیرس میں نہیں بلکہ سرنگاپٹم میں پیدا ہوئی ہوں، جولین نے بدحواس ہو کر یکے بعد دیگرے منیرہ اور انور علی کی طرف دیکھا۔ منیرہ نے کہا موسیو حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں اب مسلمان ہو چکی ہوں، کب جولین نے پوچھا، بہت دیر کی بات ہے، انور علی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن مجھے یہ بات کسی نے نہیں بتائی، میں نے نوکروں کو منع کر رکھا تھا۔ لیکن کیوں مجھے معلوم نہیں، جولین نے مسکراتے ہوئے کہا کہ موسیو مجھے آپ کی سادگی پر تعجب آتا ہے، اب یہ بتایئے کہ آپ کی شادی کب ہوگی۔ انور علی نے جواب دیا۔ میرا خیال تھا کہ آپ جین سے فرانس کے سفر کے متعلق مشورہ کرنے آئے ہیں، منیرہ نے کہا کہ میں پھر احتجاج کرتی ہوں کہ میرا نام جین نہیں ہے، منیرہ ہے۔ بہت اچھا منیرہ آئندہ مجھ سے یہ غلطی نہیں ہوگی لیکن آپ نے موسیو جولین کی بات کا جواب نہیں دیا، وہ یہ پوچھ رہے ہیں کہ ہماری شادی کب ہوگی، منیرہ کرسی سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، اس سوال کے جواب کے لیے موسیو کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا، موسیو جولین نے کہا کہ میں ایک مہینہ انتظار کر سکتا ہوں، ٹھہرو تم کہاں جا رہی ہو، میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا، آپ کچھ کھائیں گے، نہیں تم جلدی آؤ، منیرہ کمرے سے باہر نکل گئی، اس کا دماغ مسرت کے ساتویں آسمان پر تھا



جولین نے مسکراتے ہوئے انور علی کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں اس غلط فہمی